تدوین فقہ
اور
چند فقہی مباحث

[فقہ اسلامی کے امتیاز و خصوصیات، تدوینِ فقہ
اور دورِ حاضر کے تقاضوں سے متعلق
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ
کی متفرق تحریروں کا انتخاب]

www.abulhasanalinadwi.org

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	:	تدوین فقہ اور چند فقہی مباحث
نام مؤلف	:	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ
صفحات	:	۱۱۲
طبع	:	ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ مطابق مئی ۲۰۰۷ء
کمپوزنگ	:	احرار الہدیٰ شمس ندوی

ناشر

المعهد العالی للقضاء والافتاء

دار العلوم ندوة العلماء لکھنؤ

ملنے کا پتہ

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، پوسٹ باکس نمبر ۹۳ لکھنؤ

مکتبۂ ندویہ، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

فہرستِ مضامین

عناوین	صفحہ
پیش لفظ	۷
فقہ اسلامی کا امتیاز	
فقہ اسلامی کا امتیاز	۱۱
اسلام میں نئے مسائل ومشکلات کے حل کی صلاحیت	۱۴
قانونِ اسلامی کی تدوین جدید کی ضرورت	۱۵
تدوین فقہ	
امت کی دوفوری ضرورتیں	۲۱
تدوین فقہ	۲۳
ائمہ اربعہ اوران کی خصوصیات	۲۳
ائمہ اربعہ کے شاگرد وجانشین	۲۵
تدوین فقہ کا فائدہ	۲۵
اجتہاد اور تقلید	
اجتہاد اور تقلید امام ابن تیمیہؒ کی تحریروں کی روشنی میں	۲۶
دورِ تقلید سے پہلے	۲۶
تقلید کی ابتدا اور اس کے اسباب	۲۸
تقلید کی حیثیت	۲۸

www.abulhasanalinadwi.org

عناوین	صفحہ
پچھلی صدیوں میں غلو اور انحراف	۳۱
امام ابن تیمیہؒ کی رائے تقلید اور اجتہاد کے بارے میں	۳۴
امام ابن تیمیہؒ کا عمل اور ان کا فقہی مرتبہ	۳۹
امام ابن تیمیہؒ کی دعوت اور اس کا اثر	۳۹
اجتہاد اور تقلید حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تحریروں کی روشنی میں	۴۱
تطبیق بین الفقہ والحدیث	۴۱
اجتہاد اور تقلید کے درمیان نقطۂ عدل	۴۹
قرون اولی میں مسلمانوں کا طرز عمل	۵۱
تقلید کی جائز اور فطری شکل	۵۳
مذاہب اربعہ کی خصوصیت	۵۶
ہر زمانہ میں اجتہاد کی ضرورت	۵۸

چند فقہی افکار و آراء

جدید مسائل فوری حل کے طالب ہیں	۶۰
نئے مسائل کے حل کیلئے علم راسخ، نظر عمیق اور احتیاط کی ضرورت	۶۱
مسلکی نزاعات سے اجتناب وقت کی اہم ضرورت	۶۳
اسلامی قوانین اور معاصر قوانین کے درمیان موازنہ کی ضرورت	۶۸
رؤیت ہلال سے متعلق چند ابھرتے سوالات	۶۹
رؤیت ہلال کے مسئلہ کے حل کیلئے بعض کاوشیں	۷۰
عائلی قوانین میں ترمیم و اضافہ درست نہیں ہے	۷۱
مسلمانوں کیلئے امارت کا قیام ضروری ہے	۷۲

www.abulhasanalinadwi.org

عناوین	صفحہ
دینی مسائل میں مصالح کا اعتبار	
خطبۂ جمعہ کا مناسب طریقہ	۷۳
جمعہ کی نماز کے مصالح	۷۵
زکوٰۃ کی شرعی حیثیت	۷۷
زکوٰۃ کے وجوب اور اس کی مقدار کی تعیین کی حکمت	۷۹
زکوٰۃ اور سود میں فرق	۸۱
زکوٰۃ کیلئے اجتماعی نظام کا قیام	۸۷
حضرت ابوبکر صدیقؓ کا موقف	۸۸
حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ موقف کیوں اختیار کیا؟	۸۹
حضرت ابوبکر صدیقؓ کا موقف اور اس کے اہم نتائج	۹۲
نقد مال کی زکوٰۃ میں حضرت عثمانؓ کا موقف	۹۳
نظام زکوٰۃ میں مسلم حکومتوں کی کوتاہی اور اس کا انجام	۹۴
غیر مسلموں کی تالیف قلب کیلئے زکوٰۃ	۹۵
زکوٰۃ کی ادائیگی میں واسطوں کی ضرورت نہیں	۹۵
اثباتِ رؤیت ہلال کے لئے چاند کا ظہور ضروری ہے	۹۷
معذور کیلئے روزہ کے بدلے فدیہ کی اجازت	۹۸
شادی میں جہیز یا رقم کا مطالبہ درست نہیں	۱۰۳
افتاء اور قضا کے شرائط	۱۰۵
بعض فقہی کاوشوں کا تعارف	
فقہی اصطلاحات پر بعض اہم کتابیں	۱۰۷
چند باکمال فقہاء اور ان کا علمی سرمایہ	۱۰۸
برصغیر ہندو پاک کے علماء کی چند اہم فقہی کاوشیں	۱۱۰

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللّٰہ الذی بنعمتہٖ تتم الصالحات والصلاۃ والسلام علی خاتم النبیین محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ ومن تبعھم ودعابدعوتھم الیٰ یوم الدین

امابعد!

ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں نے ایک مستحسن اور مبارک قدم اٹھاتے ہوئے یہ فیصلہ فرمایا کہ فقہ وافتاء کے موضوع پر ''سہ روزہ تربیتی کیمپ'' (۱۵، ۱۶، ۱۷ مئی ۲۰۰۷ء) منعقد کیا جائے اور اس کیمپ میں شرکت کیلئے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی شاخوں سے ان منتخب اساتذہ کو مدعو کیا جائے جو فقہ واصول فقہ کی نصابی کتابیں پڑھاتے ہیں یا فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دیتے ہیں تاکہ ان میں نشاط اور تازگی پیدا ہو، اور اس کیمپ میں پیش کئے جانے والے مقالات، تجربات اور مباحث کی روشنی میں وہ اساتذہ اور نوجوان اصحابِ افتاء فقہ واصول فقہ کی تدریس میں نیز فتویٰ نویسی میں بہتر تبدیلیاں لاسکیں اور ان کے سامنے فقہ اور افتاء کے موضوعات پر مختلف نئے اور مفید گوشے آسکیں۔

اس کیمپ میں مقالات پیش کرنے اور مختلف موضوعات پر اظہار خیال کرنے

www.abulhasanalinadwi.org

کیلئے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ کے علاوہ ملک کے بعض ممتاز اصحاب تحقیق علماء اور اصحاب افتاء کو بھی زحمت دی گئی ہے، امید ہے کہ ان حضرات کی شرکت سے اس کیمپ کی افادیت اور اہمیت میں گرانقدر اضافہ ہوگا اور ہمارے ہونہار نوجوان فضلاء اور اصحاب افتاء فہم شریعت اور تفقہ فی الدین کی اچھی سوغات لے کر اپنے اپنے مدارس اور تعلیمی مراکز کی طرف واپس جائیں گے اور آنے والی نسلوں کو زیادہ بہتر سے بہتر انداز میں فقہ وافتاء کی تعلیم دیں گے اور اپنی تدریسی اور دینی ذمہ داریاں پوری کریں گے۔

اس کیمپ کی مناسبت سے یہ بات مفید اور مناسب معلوم ہوئی کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ تحریریں جو فقہ وافتاء، اجتہاد وتقلید اور نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کی ضرورت وغیرہ پر ہیں انہیں یکجا کر کے کتابی صورت دے دی جائے، تاکہ یہ مجموعہ شرکاء کیمپ کیلئے بہترین تحفہ اور مینارۂ نور ثابت ہو۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی یہ تحریریں ان کی مختلف تصنیفات (تاریخ دعوت وعزیمت اول، دوم، پنجم، ارکان اربعہ وغیرہ) نیز مختلف کتابوں پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر کردہ مقدموں سے ماخوذ ہیں، ان تمام تحریروں میں حضرت کا وصف اعتدال خاص طور سے محسوس کیا جاسکتا ہے، بعض دفعہ فقہی مسالک اور مسائل کو لے کر جو شدت اختیار کی جاتی ہے اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا ہوتا ہے، اسلام دشمن طاقتوں کو مسلمانوں کی صفوں میں دراڑ پیدا کرنے اور ان کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا زریں موقع ہاتھ آجاتا ہے، ان حالات کو نارمل کرنے اور مسلمانوں میں وحدت واتحاد کا ماحول پیدا کرنے میں انشاء اللہ تعالیٰ یہ تحریریں انتہائی مفید ثابت ہوں گی۔

www.abulhasanalinadwi.org

اسی طرح فقہ اسلامی کی اہمیت، فقہاء مجتہدین کی غیر معمولی خدمات اور قربانیوں نیز فقہ کے عظیم ذخیرے کی دور حاضر میں افادیت کے بارے میں بھی یہ تحریریں چشم کشا اور بصیرت افروز ثابت ہوں گی، ان تحریروں کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ دور حاضر میں فقہاء اور اصحاب افتاء کی ذمہ داریاں کیا ہیں، یہ حضرات کس طرح دور حاضر کے تقاضوں کو پورا کر سکتے ہیں اور اسلامی شریعت کی بہترین تشریح وترجمانی کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں کا زیر نظر مجموعہ "**تدوین فقه اور چند فقهی مباحث**" (جسے مولوی منور سلطان ندوی نے دارالافتاء ندوۃ العلماء کے اپنے رفقاء کے تعاون سے مرتب کیا ہے) ان کی تمام تصنیفات کی طرح قبولیت حاصل کرے اور عوام وخواص کیلئے نافع ہو۔

عتیق احمد بستوی

استاذ فقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فقہ اسلامی کا امتیاز

اللہ رب العالمین نے انسانوں کے علاوہ دیگر مخلوقات کو پیدا فرمانے کے بعد ان کے صرف جسم کی پرورش کا انتظام کیا، لیکن انسان - اشرف المخلوقات - کیلئے اس کی جسمانی بقا کا سامان مہیا کرنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس کیلئے روحانی وملکوتی غذا کا بھی نظم کیا، کیوں کہ بقول شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ انسان 'بہیمیت اور ملکوتیت' دونوں کا مجموعہ ہے، چونکہ غذاءِ روحانی کا مسئلہ بڑی حد تک انسانی عقل کی دسترس سے باہر تھا، اس لیے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ برابر رہنمائی کی جاتی رہی۔ آخر میں نبی آخر الزماں ﷺ کو مبعوث فرما کر انسانیت کیلئے ایک جامع ومکمل نظامِ حیات عطا کیا، جس سے جسمانی وروحانی ضرورتیں پوری ہوسکیں، اسی مکمل نظام حیات کا نام اسلام (یا شریعتِ اسلامی) ہے۔ بعد میں اس کا جاننا ''فقہ'' (اور جاننے والے کو ''فقیہ'') کہا جانے لگا، جیسا کہ امام غزالیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''المستصفی'' میں بتایا ہے:

"الفقه عبارة عن العلم والفقه..... لكن صار بعرف الفقهاء عبارة عن العلم بالأحكام الشرعية لأفعال المكلفين" (المستصفی ص۴ ج۱، مطبع امیریہ بولاق)

(فقہ کے لغوی معنی ''علم'' اور ''سمجھ'' کے ہیں..... لیکن بعد میں ''مکلف'' (عاقل بالغ) انسانوں سے متعلق اللہ کی طرف سے

www.abulhasanalinadwi.org

دئے گئے احکامِ شریعت جاننے کا نام ''فقہ'' ہوگیا)۔

''احکام شریعت'' کا مطلب یہ بتایا گیا ہے: مالا یدرك لولا خطاب الشارع، سواء کان الخطاب بنفس الحکم أو بنظیرہ المقیس ھو علیہ (تلویح مع التوضیح ص ۱۱)

حاصل یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے کتاب وسنت کے ذریعہ جو احکام انسان کیلئے دئے گئے اور پھر ان کی روشنی میں جو اجماع وقیاس سے اخذ کئے گئے وہ سب ہی ''احکام شریعت'' ہیں، جن کا دائرہ پوری انسانی زندگی کو محیط ہے۔ اور ان کا حاصل یا خلاصہ امام شاطبیؒ نے اس طرح بیان کیا ہے:

اتفقت الأمة..... علی أن الشریعة وضعت للمحافظة علی الضروریات الخمسة وھی الدین والنفس والنسل والمال والعقل (الموافقات للشاطبی ج ۱ ص ۳۸)

(پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ شریعت کا اصل موضوع ان پانچ چیزوں کی حفاظت ہے: (۱) دین (۲) جان (۳) نسل (۴) مال (۵) عقل)۔

شریعت کا مقصد ایک عالی مرتبہ فقیہ کے الفاظ میں ''**سعادة الدارین**'' ہے (ردالمحتار ص ۲۷ ج ۱)۔ یعنی صرف دنیا میں ہی نہیں بلکہ دونوں جہان میں انسان کو کامرانیوں سے ہمکنار کرنا ہے، یہی وہ فرق ہے جو آج کے قانون ساز اداروں، پارلیمنٹوں اور اسمبلیوں سے شریعت کو ممتاز کرتا ہے، اوپر کی تفصیل سے چونکہ یہ بات سامنے آگئی کہ شریعت کا دائرہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے، اس لئے شریعت کے قوانین میں وہ تقسیم نہیں ہے جو آج کی بیشتر حکومتوں کے دستوروں میں پائی جاتی ہے کہ ایک قسم کو ''پرسنل لا'' (Personal Law) یا ''احوال شخصیہ'' کا نام دیا جاتا ہے، جس کا تعلق کسی

www.abulhasanalinadwi.org

انسان کی شخصی اور عائلی زندگی سے ہوتا ہے، پھر غلط طور پر یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ گویا اس کے کرنے نہ کرنے کا اختیار شخص کو حاصل ہے، اور ایک قسم ''مشترک قانون'' (Common Law) کے نام سے معروف ہے، اور کہیں کسی اور نام سے۔ حالانکہ انسانی مسائل خواہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، تمدنی ہوں یا مالی، ثقافتی ہوں یا تعزیراتی سب کا حل اسلامی شریعت نے یکساں طور پر پیش کیا ہے، اور ہر ماننے والے پر تمام احکام کی پیروی کو ضروری قرار دیا ہے، یہاں اس میں کوئی شخصی اختیار والا قانون ہے ہی نہیں۔

مزید یہ کہ شریعت کے اصولوں میں ایسی گہرائی و گیرائی اور لچک ہے کہ ان کی روشنی میں ہر زمانہ حتی کہ آج کے ترقی پذیر دور میں بھی پیش آمدہ مسائل کا حل پیش کیا جاسکتا ہے، اور یہ صرف خوش کن دعوے نہیں بلکہ ہر زمانہ میں ماہرینِ شریعت (فقہاء) نے اس کا عملی مظاہرہ کیا ہے، جس پر تاریخ شاہد ہے۔ دور اول (خلافت راشدہ، خلافت امویہ، خلافت عباسیہ کی ابتداء) میں جب اسلامی حکومتوں کا سایہ جزیرۃ العرب سے نکل کر افریقہ، ایشیا، بلکہ یورپ تک پھیل گیا تھا، اور طرح طرح کے تمدنی، معاشرتی، معاملاتی اور نئے نئے مسائل کا سامنا ہوا تو اس محترم گروہ (فقہاء) نے ان کا حل ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر پیش کیا جس سے حکومتوں اور عوام کو کسی اور کا دست نگر ہونے کی ضرورت پیش نہیں آئی، اس دور میں ائمہ اربعہ اور ان کے ممتاز ترین تلامذہ کے کارہائے نمایاں پر اجمالی نظر ڈالنے سے ہی مذکورہ دعوے کی تصدیق ہوسکتی ہے، (تفصیل کیلئے تو دفتر درکار ہے) اس کے طالب کو احمد امین مصری کی علمی تاریخ کے سلسلہ (جو ''فجر الاسلام''، ''ضحی الاسلام''، ''ظہر الاسلام'' کے نام سے معروف اور ہر جگہ دستیاب ہے) کا مطالعہ کرنا چاہئے، نیز راقم الحروف کی ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کے پہلے دو حصے اور ''کشف الظنون''، ''مفتاح السعادۃ'' وغیرہ دیکھنی چاہئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اسلام میں نئے مسائل ومشکلات اور جدید چیلنجز کے حل کی صلاحیت

ان دو مسلّم و مستحکم حقیقتوں کی موجودگی میں کہ زمانہ رواں، دواں، تغیر وترقی پذیر ہے اور زندگی تغیرات وترقیات سے اثر قبول کرنے والی اور نئے نئے مسائل ومطالبات، نئے سوالات اور ان کے تشفی بخش جوابات کی منتظر ومحتاج ہے، دوسری طرف اسلام، اللہ تعالیٰ کا آخری دین، ہر زمانہ کی ضروریات کا پورا کرنے والا اور اس کے تغیرات وانقلابات کے مقابلہ کی صلاحیت رکھنے والا اور ہر بدلے ہوئے زمانہ میں نہ صرف امتِ مسلمہ بلکہ نسلِ انسانی کی رہنمائی کی نہ صرف قابلیت رکھنے والا، بلکہ نئے نئے مسائل ومشکلات اور تحدّیات (چیلنجوں) کا مقابلہ کرنے والا اور ان آزمائشوں اور مشکلات میں نسل انسانی کو راہِ راست دکھلانے والا، اور ان آزمائشوں میں بھی امت کو اپنے دائمی اصولوں اور ہدایتِ ربانی پر قائم رکھنے کی طاقت عطا کرنے والا ہے، یہ ایک ابدی اور بدیہی حقیقت ہے اور اس صورت حال کا طبعی تقاضہ اور لازمہ تھا کہ اس کو کتاب وسنت اور شریعتِ الٰہی کی شکل میں وہ اصول وہدایات اور قانون، اور زندگی کی ضرورتیں پورکرنے اور اس کے طبعی اور جائز تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کیلئے وہ اصول وتعلیمات عطا کی جائیں جن کی روشنی میں اور ان کی مدد سے ہر بدلے ہوئے زمانہ میں زندگی اور تمدن کے جائز تقاضوں اور مطالبات سے عہدہ برآ ہونے، بلکہ دنیا کی اور دوسری امتوں کی رہنمائی اور چارہ سازی کا کام کرنے کی بھی اس امت میں صلاحیت ہو، اور یہ ختمِ نبوت، اس دین کے آخری عالمگیر اور دائمی دین ہونے اور اس امت کے عالمی اور زمانی ومکانی دونوں حیثیتوں سے اس کے عمومی ودائمی ہونے کا طبعی وعقلی تقاضہ ہے۔

اسی کے ساتھ دوسری علمی وتاریخی اور ایک ناقابل انکار ثابت شدہ تاریخی حقیقت ہے کہ اس امت کے عہدِ اولیں ہی سے مشیت وقدرتِ الٰہی اور اس دین

www.abulhasanalinadwi.org

وامت کے ساتھ اختصاص واجتباء ربانی نے اس کا انتظام کیا کہ اس دین کے کامل ہوجانے اور اس کے دنیا میں لانے والی ذات کی رحلت کے بعد ہی سے اللہ تعالیٰ نے اس امت میں وہ شخصیتیں پیدا کیں جو ایک طرف اپنی ذہانت و ''عبقریت'' میں دوسری طرف اپنی محنت ومشغولیت میں، تیسری طرف اپنے اخلاص وروحانیت میں، نہ صرف اپنے عہد ومعاصر امتوں میں، بلکہ علم وذہانت اور قانون سازی اور اپنے عہد کی رہنمائی میں امتوں اور نسلوں کے ہجوم میں اور تاریخ کی طویل اور مسلسل صدیوں میں، اپنی نظیر نہیں رکھتیں، اور یہ بات محض عقیدت مندی اور انشاء پردازی میں نہیں لکھی جارہی ہے، قانونی دقیقہ سنجیوں اور علمی وتمدنی باریک بینوں کے وسیع تقابلی مطالعہ کی روشنی میں کہی جارہی ہے، زیادہ صاف اور واضح الفاظ میں کہا جاتا ہے کہ دوسری ملتوں اور ادیان کے مذاہب میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبل، قاضی ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور بعد کی صدیوں میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، ابن ہمامؒ، علامہ مرغینانی (صاحبِ ہدایہ) اور حکیم الاسلام شیخ احمد بن عبدالرحیم معروف بہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی مثال ملنی مشکل ہے۔

قانونِ اسلامی کی تدوینِ جدید کی ضرورت

عالم اسلام کے جدید اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ، اور ان لوگوں کی (جن کے ہاتھ میں حکومت وسیاست کی باگ ڈور ہے (بے راہ روی، غلط اندیشی اور دین سے مایوسی کا کسی قدر سبب وہ جمود واضمحلال بھی ہے جو علوم اسلامیہ کے مرکزوں اور نمائندوں پر طویل مدت سے طاری ہے، اس جمود واضمحلال کی وجہ سے یہ علوم جو نمو وارتقاء کی اعلیٰ صلاحیتوں سے بھرپور ہیں اپنی صلاحیت وافادیت اور بدلتی ہوئی زندگی کی رہنمائی کی قابلیت کا وہ روشن ثبوت پیش نہیں کرسکے جو تنازع للبقاء کے اس دور میں درکار تھا، علوم اسلامیہ کا قدیم نصابِ تعلیم اس زمانہ میں تو برابر بدلتا اور زندگی کا

www.abulhasanalinadwi.org

ساتھ دیتا رہا جس میں انقلابات بہت دیر میں آتے تھے اور ان کی نوعیت میں بنیادی فرق نہیں ہوتا تھا، یہ انقلابات اشخاص اور حکمراں خاندانوں کی تبدیلی کا نام تھے، لیکن اس کے باوجود واضعینِ نصاب اور عالمِ اسلام میں علمی وتعلیمی تحریک کے رہنما برابر اپنی ذہانت وحقیقت پسندی کا ثبوت دیتے اور تبدیلی واضافہ سے کام لیتے رہے، لیکن جب انیسویں صدی عیسوی کا وہ زمانہ آیا جس میں حکمراں خاندانوں کا نہیں بلکہ تہذیبوں اور افکار واقدار کا انقلاب رونما ہوا اور انقلابات کی کثرت اور شدت دونوں حد سے متجاوز ہوگئیں تو یہ نصاب ایک منزل پر آکر ٹھہر گیا، اور اس نے ہر تغیر واضافہ سے انکار کردیا، مضامین، مقررہ کتابوں اور طرزِ تعلیم، ہر چیز میں اس روش پر اصرار کیا گیا جو ہندوستان میں بانیِ درسِ نظامی (ملا نظام الدین لکھنوی م ۱۱۶۱ھ) اور مشرقِ وسطیٰ میں اٹھارہویں صدی کے علماء ازہر کے زمانہ میں قائم ہوگئی تھی، فقہ وقانونِ اسلامی میں توسیع واضافہ، ان نئے مسائل میں (جو جدید اکتشافات نئی اقتصادیات اور نئی تنظیمات نے پیدا کردیئے تھے) اجتہاد سے کام لینا چھوڑ دیا گیا، اجتہاد جو اپنے اعلیٰ، نازک اور نہایت ضروری شرائط (۱) کے ساتھ بہر حال علماء اسلام کا فریضہ اور بدلے ہوئے زمانہ کی رہنمائی کا ذریعہ تھا، عملاً معطل ومسدود ہوگیا اور ایک معاصر عرب عالم (۲) کے بلیغ الفاظ میں "علماء کے نزدیک اس دروازہ کو کھولنا تو (شرعاً) ممنوع نہیں تھا، مگر جس کنجی سے وہ کھل سکتا تھا، وہ عرصہ سے گم شدہ تھی"۔

اسلامی علوم، معارف قرآنی اور شریعتِ اسلامی کیلئے جن طاقتور، موثر ودل پذیر ودلنشیں تعبیر وتشریح اور اس کیلئے زبان وادب کے اس نئے دور میں جس اسلوب اور پیرایۂ بیان کی ضرورت تھی، وہ اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور تھا، ایسے

(۱) جن کی تفصیل کتب اصول فقہ میں ہے۔ (۲) استاذ مصطفیٰ احمد الزرقاء، استاذ فقہ اسلامی جامعہ عثمان وسابق وزیر قانون حکومتِ شام۔

www.abulhasanalinadwi.org

علماء خال خال پائے جاتے تھے، جو ان دینی حقائق کی ابدیت، زندگی کی صلاحیت اور اسلام کی فوقیت و برتری کا نقش جدید طبقہ کے دل و دماغ پر قائم کر سکیں اور اپنی بھرپور علمی تنقیدوں اور ماہرانہ تحلیل اور تجزیہ سے تہذیب جدید کے طلسم کو توڑ سکیں۔

اس میں شبہہ نہیں کہ عالمِ اسلام کے مختلف گوشوں میں ایسی ممتاز دینی شخصیتیں پیدا ہوئیں، جنہوں نے بعض وسیع حلقوں کو اپنی طاقتور اور دلآویز شخصیتوں سے متاثر کیا اور ایک بڑے طبقہ کو ذہنی ارتداد سے بچالیا اور بعض گوشوں میں فقہ و مسائلِ اسلامیہ پر کسی حد تک انفرادی کام بھی ہوا اور فقہ و قانون اسلامی کو نئے لباس میں پیش کیا گیا، (۱) لیکن عالمِ اسلام میں ایک ایسی طاقتور عالمگیر علمی تحریک کی کمی برابر محسوس کی جارہی ہے، جو جدید طبقہ کا اسلام کے علمی ذخیرہ سے رشتہ و رابطہ قائم کر سکے، اسلامی علوم میں نئی روح پھونک سکے، اور اس حقیقت کو ثابت کر سکے کہ اسلامی قانون اور فقہ نہایت وسیع اور ترقی پذیر قانون ہے، اور وہ ایسے ابدی اصولوں پر قائم ہے، جو کبھی فرسودہ اور از کار رفتہ نہیں ہو سکتے، جس میں زندگی کے تغیرات و ترقیات کا ساتھ دینے کی پوری صلاحیت ہے، اور جس کی موجودگی میں کسی وضعی و انسانی قانون کی پناہ لینے کی ضرورت نہیں، یہی عصرِ حاضر کا وہ ضروری کام ہے، جو اسلامی ملکوں اور موجودہ اسلامی معاشرہ کو ذہنی و معاشرتی ارتداد سے بچا سکتا ہے، اور مغرب زدگی اور تجدد کے اس تیز دھارے کو روک سکتا ہے، جو عالم اسلام میں اس وقت اپنی پوری طغیانی پر ہے، علامہ اقبالؔ نے اس کام کی ضرورت و اہمیت اور اس کے دوررس نتائج کے متعلق بجا طور پر لکھا ہے:-

''میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص زمانۂ حال کے جورسپروڈنس

---

(۱) مثال کے طور پر استاذ مصطفےٰ زرقاء کی قابل قدر کتاب "المدخل الفقهی العام" ڈاکٹر مصطفےٰ السباعی کی کتاب ''الاحوال الشخصیۃ'' (۱-۲-۳) مصر میں شیخ محمد ابوزہرہ کے بعض مضامین مسائلِ جدید پر پیش کیے جاسکتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

(Jurisprudence) (اصول قانون) پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا وہی اسلام کا مجدّد ہوگا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا، قریباً تمام ممالک میں اس وقت مسلمان یا تو اپنی آزادی کیلئے لڑ رہے ہیں یا قوانین اسلامیہ پر غور کر رہے ہیں، غرض یہ وقت علمی کام کا ہے، کیوں کہ میری رائے ناقص میں مذہب اسلام اس وقت گویا زمانہ کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور شاید تاریخ اسلام میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا"۔(۱)

فقہ اسلامی کی جدید تدوین وتوسیع کا کام کسی نئے قانون کی بنیاد رکھنے کے مرادف نہیں، جس کیلئے نئے اصول وضع کرنے اور ایک چیز کو عدم سے وجود میں لانے کی ضرورت ہو، اسلامی فقہ وقانون کا وہ عظیم سرمایہ اور انسانی ذہانت ومحنت کا وہ عجیب وغریب نمونہ ہے، جس کی نظیر دنیا کے قانونی ذخیروں میں ملنی مشکل ہے، یہ زندگی کے بہت بڑے حصہ اور عصر قدیم کے اکثر حالات پر حاوی ہے، صرف اس کی ضرورت ہے کہ ان حکیمانہ اصول وکلیات سے (جو سراسر قرآن وحدیث پر مبنی ہیں) نئے جزئیات کا استنباط کیا جائے اور ان سے موجودہ زندگی کی ضروریات اور تبدیلیوں میں رہنمائی حاصل کی جائے، اس فقہی ذخیرہ کی وسعت اور اس کی قانونی قدر وقیمت کا اندازہ کرنے کیلئے مشہور شامی فاضل وماہر قانون مصطفےٰ احمد الزرقاء کی کتاب "**المدخل الفقهي العام الى الحقوق المدنية**" کے مقدمہ سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس میں انہوں نے پیرس یونیورسٹی کے ہفتۂ قانونِ اسلامی کے سیمینار میں مغربی ماہرین قانون کا فقہ اسلامی سے متعلق تأثر ونظریہ پیش کیا ہے، وہ کہتے ہیں:-

ممالک قوانین کی عالمی اکیڈمی کی مشرقی قانون کی شاخ نے

---

(۱) اقبال نامہ حصہ اول ص ۵۰-۵۱

www.abulhasanalinadwi.org

پیرس یونیورسٹی کے لا کالج میں ۲ر جولائی ۱۹۵۱ء میں فقہ اسلامی کا ہفتہ منایا اور ایک کانفرنس منعقد کی، یہ کانفرنس موسیو Milliot پروفیسر فقہ اسلامی پیرس یونیورسٹی کی صدارت میں ہوئی، اس میں عرب غیر عرب ملکوں کے لا کالجوں کے اساتذہ، ازہر کے نمائندے، عرب اور فرانسیسی وکلاء نیز مستشرقین بڑی تعداد میں مدعو کیے گئے، مصر سے چار نمائندے، منتخب ہو کر گئے، دو جامعہ فواد سے، ایک جامعہ ابرہیم کے لا کالج کے پرنسپل اور ازہر کی **هيئة كبار العلماء** (۱) کا ایک نمائندہ، دمشق یونیورسٹی کے لا کالج کی طرف سے میں نے اور ڈاکٹر معروف الدوالیبی نے نمائندگی کی، نمائندوں نے، دیوانی، فوجداری اور مالی قوانین کے پانچ عنوانات پر بحث کی جو اکیڈمی کی طرف سے پہلے متعین کر دیئے گئے تھے، وہ حسب ذیل تھے۔

(۱) ملکیت کا اثبات (۲) عام مفاد کیلئے استملاک (عوام کی املاک پر قبضہ) (۳) جرم کی ذمہ داری (۴) اجتہادی مذاہبِ فکر کا ایک دوسرے پر اثر (۵) سود کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر۔

یہ سب لیکچر اور مباحث فرنچ میں ہوئے تھے، اور ہر موضوع کیلئے ایک دن مقرر تھا، ہر لیکچر کے بعد مقرر اور کانفرنس کے نمائندوں کے درمیان مباحثہ ہوتا تھا، جو موضوع اور ضرورت کے اعتبار سے کبھی طویل ہوتا تھا، کبھی مختصر، اس کا خلاصہ قلمبند کر لیا جاتا تھا۔ اسی قسم کے مباحثہ کے درمیان ایک ممبر جو پیرس کے بار ایسوسی ایشن کے صدر تھے، کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس عمومی خیال میں کہ اسلامی فقہ جامد ہے اور اس میں جدید معاشرہ کی ضروریات کی تکمیل کی صلاحیت نہیں ہے، اور اس کانفرنس کی تقریروں اور مباحثوں سے اصول

(۱) علماء ازہر کی وہ بڑی کونسل جو اہم دینی و علمی مسائل میں فیصلہ کرتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

وشواہد کی بنیاد پر اس کے بالکل برخلاف جو بات ثابت ہو رہی ہے، ان دونوں میں کیسے مطابقت پیدا کروں؟۔ کانفرنس کے اختتام پر تمام نمائندوں نے بالا جماع ایک تجویز پاس کی جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

اس کانفرنس کے شرکاء ان مباحث کے پیش نظر جو فقہ اسلامی کے سلسلہ میں پیش ہوئے اور ان بحثوں کی بنا پر جس سے یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوگئی کہ :- (الف) اسلامی فقہ کی ایک خاص (قانونی ودستوری) قیمت ہے، جس میں شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ (ب) اس عظیم قانونی سرمایہ میں فقہی مذاہب کا یہ اختلاف، معلومات، مدلولات اور قانونی اصولوں کا بڑا خزانہ ہے، جو اعتراف وتحسین کا پورا مستحق ہے، اور اس کے ذریعہ فقہ اسلامی اس قابل ہے کہ جدید زندگی کی ضروریات اور مطالبات کی تکمیل کر سکے۔ اپنی اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ ہفتہ ہر سال منایا جایا کرے، اور کانفرنس کے سکریٹریٹ کو اس کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں کہ وہ ان موضوعات کی ایک فہرست تیار رکھے جن کو آئندہ جلسہ میں بحث ومذاکرہ کی بنیاد بنانے کی ضرورت ہے اور جن کی اہمیت کا گزشتہ مباحثات سے اظہار ہوتا ہے۔ کانفرنس کے نمائندے اس کی بھی امید رکھتے ہیں کہ فقہ اسلامی کی ایک ڈائرکٹری تیار کرنے کیلئے ایک کمیٹی بنادی جائے گی جس کے ذریعہ قانون کی کتابوں سے استفادہ اور مراجعت آسان ہو جائے گی، اور وہ ایک ایسا فقہی انسائیکلو پیڈیا بن سکے گی، جس میں اسلامی قانون کی تمام معلومات جدید طرز پر مرتب کی گئی ہوں گی'' (۱)

(المدخل الفقہی العام)، ج ۱، ص: د، ہ، تیسرا ایڈیشن ۱۹۵۲ء

www.abulhasanalinadwi.org

تدوین فقہ

امت کی دو فوری ضرورتیں

امت کی روح اور اس کے اخلاق کی حفاظت کے ساتھ (جس کا سلسلہ برابر جاری ہے) امت کی اجتماعی زندگی و معاشرت، اور معاملات و سیاست کی حفاظت کی بھی ضرورت تھی، اور اس بات کی ضمانت کی کہ وہ آئندہ بھی اسلام کے اصول و آئین کے مطابق ہوں گے، اس وقت دو براعظم (ایشیا و افریقہ) اور برّاعظم یورپ کا ایک حصہ (اسپین) اسلام کی نگرانی و تولیت میں تھے، اسلام کی سلطنت روئے زمین کی سب سے بڑی وسیع اور سب سے طویل و عریض سلطنت تھی جو دنیا کے متمدن ترین ممالک پر مشتمل تھی، نئے حالات و مسائل سے مسلمانوں کا سابقہ تھا، تجارت و زراعت، جزیہ و خراج محکومین، مفتوحہ ممالک کے نئے نئے مسائل درپیش تھے، قدیم عادات و رواج کا بہت بڑا ذخیرہ، اور نئی نئی ضروریات تھیں، جو مسلمانوں کی قوتِ فیصلہ اور اسلامی احکام کی منتظر تھیں، ان میں سے نہ کسی ضرورت کو ٹالا جاسکتا تھا، نہ سرسری طور پر ان سے گذرا جاسکتا تھا، حکومت مفصل و مکمل آئین و قانون سلطنت کی طالب تھی، حکومت کی انتظامی مشین کو روکا نہیں جاسکتا تھا، اگر قانونِ اسلامی کی ترتیب میں تاخیر ہوتی تو وہ رومی یا ایرانی قانون کو اختیار کرنے پر مجبور تھی، جس کا نتیجہ وہ ہوتا، جو اس وقت کی نام نہاد ''اسلامی سلطنتوں'' کا ہوا ہے، علماء کی ذرا سی غفلت اور محافظین سنت کی ذہنی کاہلی اور راحت پسندی اس امت کو ہزاروں برس کیلئے اسلامی معاشرت، اور اس کے اجتماعی قوانین کی برکت سے محروم کردیتی۔

یک لحظہ غافل بودم صد سالہ راہم دور شد

www.abulhasanalinadwi.org

اس وقت دو مسئلوں کی طرف فوری توجہ کی ضرورت تھی، ایک تو یہ کہ حدیث وسنت کے سرمایہ کو محفوظ ومدون کرلیا جائے، جو محدثین کے سینوں اور منتشر سفینوں (۱) میں تھا، یہ نئے مسائل کے استنباط کا بہت بڑا ذریعہ اور فقہ اسلامی کا ایک بہت بڑا ماخذ تھا، اسی کے ساتھ وہ امت کے اسلامی مزاج اور زندگی کے اسلامی سانچہ کی حفاظت کا بھی ذریعہ تھا، حدیث رسول اللہ ﷺ کی سب سے زیادہ مفصل اور مستند سیرت ہے وہ زمانۂ نبوت کے تیئیس برسوں کا ایک طرح کا روزنامچہ ہے، جو کسی پیغمبر کی امت کو حاصل نہیں، اس کا ضائع ہوجانا بہت بڑا علمی ودینی سانحہ تھا، علاوہ بریں اس میں امت کی اخلاقی اصلاح، اعتدال، صحیح روحانیت، زہد وتقویٰ اور تغیر وانقلاب پر ابھارنے والی زبردست طاقت ہے جس کے اثر سے ہر زمانہ میں اہلِ دعوت واہل عزیمت پیدا ہوتے رہیں گے اور ہر زمانہ کی مسلم سوسائٹی کا شرعی واخلاقی احتساب ہوسکے گا اور ہر زمانہ اور ہر طبقہ کی بدعات کا مقابلہ کیا جاسکے گا۔

دوسری ضرورت فقہ کی تدوین اور استنباط واجتہاد کی تھی، قرآن وحدیث میں اگرچہ زندگی کے ہر شعبہ کیلئے اصول وکلیات موجود ہیں اور ان سے باہر کہیں جانے کی ضرورت نہیں، مگر زندگی متغیر ہے اور انسان کے حالات وضروریات غیر محدود اور بے حد متنوع، ان اصول وکلیات کو زندگی کے ان تغیرات وتنوعات پر حاوی بنانے کیلئے اور ہر نئی حالت اور نئی ضرورت کیلئے ان کی ترجمانی وتشریح کیلئے اجتہاد واستنباط کی ضرورت تھی۔

---

(۱) حدیث کے جمع وتدوین کا کام عہد تابعین سے شروع ہوچکا تھا، دوسری ہی صدی میں حدیث کے مختلف مجموعے تیار ہوچکے تھے، جن میں سے ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) ابن جریج مکی (م ۱۵۰ھ) ابن اسحاق (م ۱۵۱ھ) سعید ابن ابی عروبہ مدنی (م ۱۵۶ھ) معمر یمنی (م ۱۵۳ھ) ربیع بن صبیح (م ۱۶۰ھ) وغیرہ کے مجموعے خاص طور پر مشہور ہیں لیکن ضرورت تھی کہ اس کو زیادہ علمی وترقی یافتہ شکل پر انجام دیا جائے۔

www.abulhasanalinadwi.org

تدوین فقہ

لہٰذا فقہ کی تدوین، مسائل کا استنباط واستخراج، جزئیات وفتاویٰ کی ترتیب، اسلام کی ایسی عملی ضرورت تھی، جس کو بالکل موخر نہیں کیا جاسکتا تھا، اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر شام، عراق، مصر وایران اور دوسرے وسیع اور زرخیز ملکوں میں پہنچ گیا تھا، معاشرت، تجارت، انتظام ملکی سب بہت وسیع اور پیچیدہ شکلیں اختیار کر گئے تھے، اس وقت ان نئے حالات ومسائل میں اسلام کے اصول کی تطبیق کیلئے بڑی اعلیٰ ذہانت، معاملہ فہمی، باریک بینی، زندگی اور سوسائٹی سے وسیع واقفیت، انسانی نفسیات اور اس کی کمزوریوں سے باخبری، قوم کے طبقات اور زندگی کے مختلف شعبوں کی اطلاع اور اس سے پیشتر اسلام کی تاریخ وروایات اور روح شریعت سے گہری واقفیت، عہد رسالت اور زمانۂ صحابہ کے حالات سے پوری آگاہی اور اسلام کے پورے علمی ذخیرہ (قرآن وحدیث اور لغت وقواعد) پر کامل عبور کی ضرورت تھی۔

ائمہ اربعہ اور ان کی خصوصیات

یہ اللہ کا بہت بڑا فضل تھا، اور اس امت کی اقبال مندی کہ اس کارِ عظیم کیلئے ایسے لوگ میدان میں آئے، جو اپنی ذہانت، دیانت، اخلاص اور علم میں تاریخ کے ممتاز ترین افراد ہیں، پھر ان میں سے چار شخصیتیں امام ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ) امام مالک (م ۱۷۹ھ) امام شافعی (م ۲۰۴ھ) امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) جو فقہ کے چار دبستانِ فکر کے امام ہیں اور جن کی فقہ اس وقت تک عالم اسلام میں زندہ اور مقبول ہے، اپنے تعلق باللہ، للّٰہیت، قانونی فہم، علمی انہماک اور جذبۂ خدمت میں خاص طور پر ممتاز ہیں، ان حضرات نے اپنی پوری زندگی اور اپنی ساری قابلیتیں اس بلند مقصد اور اس اہم خدمت کیلئے وقف کر دی تھیں، انہوں نے دنیا کے کسی جاہ واعزاز اور کسی لذت وراحت سے سروکار نہیں رکھا تھا، امام ابوحنیفہ کو دو بار عہدۂ قضا

www.abulhasanalinadwi.org

پیش کیا گیا اور انہوں نے انکار کیا یہاں تک کہ قید خانہ ہی میں آپ کا انتقال ہوا، امام مالک نے ایک مسئلہ(۱) کے اظہار میں کوڑے کھائے اور ان کے شانے اتر گئے، امام شافعی نے زندگی کا بڑا حصہ عسرت میں گذارا، اور اپنی صحت قربان کردی، امام احمد نے تنِ تنہا حکومتِ وقت کے رجحان اور اس کے ''سرکاری مسلک'' کا مقابلہ کیا اور اپنے مسلک اور اہل سنت کے طریقہ پر پہاڑ کی طرح جمے رہے، ان میں سے ہر ایک نے اپنے موضوع پر تن تنہا اتنا کام کیا اور مسائل وتحقیقات کا اتنا بڑا ذخیرہ پیدا کردیا، جو بڑی بڑی منظم جماعتیں اور علمی ادارے بھی آسانی سے نہیں پیدا کرسکتے، امام ابوحنیفہؒ نے تراسی ہزار مسائل اپنی زبان سے بیان کئے، جن میں سے اڑتیس ہزار عبادت سے تعلق رکھتے ہیں، اور پینتالیس ہزار معاملات سے (۲)۔ شمس الائمہ کردری نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے جس قدر مسائل مدوّن کئے ان کی تعداد چھ لاکھ (۳) ہے، المدونہ میں جو امام مالک کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے چھتیس ہزار مسائل ہیں' کتاب الأم جو امام شافعی کے افادات کا مجموعہ ہے، سات ضخیم جلدوں میں ہے، ابوبکر خلال (م ۳۱۱ھ) نے امام احمدؒ کے مسائل چالیس جلدوں میں جمع کئے (۴)۔

---

(۱) مسئلہ یہ تھا کہ مجبور کی طلاق کا کچھ اعتبار نہیں، اس مسئلہ کا سیاسی پہلو یہ تھا کہ خلفاء کیلئے جو بیعت لی جاتی تھی، اس میں یہ کہلایا جاتا تھا کہ اگر بیعت توڑی تو بیوی کو طلاق ہوجائے گی، اگر مجبور کی طلاق کا اعتبار نہیں تو بیعت کے اس حلف نامے میں کوئی طاقت اور تاثیر باقی نہیں رہ جاتی، اسی بناء پر حکومت کو امام مالک کے اس فتوے سے بڑی تشویش لاحق ہوئی اور اس کے حکام نے ان کے ساتھ سخت برتاؤ کیا۔ (۲) فجر الاسلام (بحوالہ مناقب ابی حنیفہ للمکی ص۹۶،) ج۲ ص۱۸۸۔ (۳) سیرۃ النعمان (مولانا شبلی) بحوالہ قلائد عقود العقیان۔ (۴) اس کتاب کا نام 'الجامع العلوم لامام احمد' ہے، ابوبکر خلال کا مفصل حال شذرات الذہب فی اخبار من ذہب ج۲ ص۳۶۱، میں ملاحظہ ہو۔

www.abulhasanalinadwi.org

ائمہ اربعہ کے شاگرد و جانشین

پھران کوشاگرد ایسے ممتاز ملے، جنہوں نے اس ذخیرہ میں اضافہ کیااوران کی تنقیح وترتیب کا کام جاری رکھا، امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں امام ابو یوسف جیسا قانونی دماغ نظر آتا ہے جس نے ہارون رشید کی وسیع ترین سلطنت کے قاضی القضاۃ کے فرائض کامیابی کے ساتھ انجام دیئے، اوراسلام کے اصول معاشیات پر کتاب الخراج جیسی عالمانہ تصنیف کی، اسی طرح ان کے شاگردوں میں امام محمد جیسا فقیہ اور مؤلف اورامام زفر جیسا صاحبِ قیاس نظر آتا ہے، جنہوں نے فقہ حنفی کو چار چاند لگائے، امام مالک کو عبداللہ بن وہب، عبدالرحمٰن ابن القاسم، اشہب بن عبدالعزیز، عبداللہ بن عبدالحکم، یحییٰ بن یحییٰ اللیثی جیسے وفادار شاگرد اور لائق عالم ملے جن کی کوششوں سے مصر اور شمالی افریقہ فقہ مالکی کا حلقہ بگوش ہوگیا، امام شافعیؒ کو بویطی، مزنی اور ربیع جیسے محنتی اور ذہین شاگرد ملے جنہوں نے فقہ شافعی کو مرتب ومنقح شکل میں پیش کردیا، امام احمد کی فقہ کو ابن قدامہ جیسا مصنف اور محقق حاصل ہوا جس نے 'المغنی' جیسی عظیم الشان تصنیف کی جو فقہ اسلامی کے وسیع ذخیرہ میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔

تدوین فقہ کا فائدہ

اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ان ائمہ فن اور صاحب اجتہاد علماء کا پیدا ہوجانا اس دین کی زندگی، اوراس امت کی کارکردگی کی صلاحیت کی دلیل تھی، ان کی کوششوں اور ذہانتوں سے اس امت کی علمی ومعاملاتی زندگی میں ایک نظم اور وحدت پیدا ہوگئی اور اس ذہنی انتشار اور معاشرتی بے نظمی اور ابتری سے محفوظ رہ گئی جس کی قوتیں اور اپنے ابتدائی عہد میں شکار ہوچکی ہیں، انہوں نے فقہ کی ایسی بنیادیں قائم کردیں اور ایسے اصول مرتب کردیئے جن سے بعد میں پیش آنے والے مسائل اور مشکلات کے حل کرنے میں مدد لی جاسکتی ہے اور عام معتدل زندگی کو باقاعدہ اور شرعی رہنمائی کے ساتھ گذارا جاسکتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اجتہاد اور تقلید امام ابن تیمیہؒ کی تحریروں کی روشنی میں

دور تقلید سے پہلے

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری سے پیشتر کسی ایک امام یا کسی ایک مذہب (فقہی) کی تقلید کا رواج نہیں ہوا تھا، لوگ کسی ایک عالم کی تقلید یا کسی ایک مذہب کی تعیین اور التزام کے بغیر عمل کرتے تھے، اور یہ سمجھتے تھے کہ وہ شریعت پر عمل کر رہے ہیں اور براہ راست رسول اللہ ﷺ کی پیروی کر رہے ہیں، اسی طرح سے ضرورت کے وقت کسی معتبر عالم سے مسئلہ دریافت کر لیتے تھے، اور عمل کرتے تھے، چوتھی صدی میں بھی کسی ایک مذہب کی تقلید خالص اور اس کے اصول وطریق پر فقہ حاصل کرنے اور فتویٰ دینے کا دستور عام نہیں تھا، شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

> ''چوتھی صدی میں بھی امت کے دو طبقوں کا معاملہ الگ الگ تھا، عوام ان مسائل میں جو اجماعی ہیں اور جن میں مسلمانوں کے درمیان یا جمہور مجتہدین میں کوئی اختلاف نہیں صاحب شرع (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہی کی تقلید کرتے تھے، وہ وضو، غسل اور نماز وزکوٰۃ کا طریقہ اپنے والدین یا اپنے شہر کے اساتذہ ومربیوں سے سیکھ کر اسی کے مطابق چلتے رہتے تھے، اگر کوئی غیر معمولی صورت حال پیش آتی تو اس کے بارے میں کسی مفتی سے جو ان کو میسر آتا، استفتاء کرتے تھے، اس میں کسی مذہب کی شرط نہ تھی۔ خواص میں سے جن کا اشتغال حدیث نبوی سے تھا، ان کو صحیح احادیث اور آثار

www.abulhasanalinadwi.org

صحابہ کی موجودگی میں کسی اور چیز کی ضرورت نہ تھی، کوئی مشہور صحیح حدیث جس پر بعض فقہاء نے عمل کیا ہے اور جس پر عمل نہ کرنے کا کسی کے پاس کوئی عذر نہیں، یا جمہور صحابہ وتابعین کے اقوال جو ایک دوسرے کے مؤید ہوتے تھے، ان کیلئے کافی تھے، اگر مسئلہ میں ان کو کوئی ایسی چیز نہ ملتی جس سے قلب مطمئن ہوتا، اس وجہ سے کہ روایات متعارض ہیں، یا ترجیح کی وجہ ظاہر نہیں ہے، یا اسی طرح کا کوئی اور اشکال پیش آتا تو فقہائے متقدمین میں سے کسی کے کلام کی طرف رجوع کر لیتے، اگر اس مسئلہ میں دو قول ملتے تو ان میں جو زیادہ قابل اعتماد ہوتا اس کو اختیار کرتے، خواہ وہ اہل مدینہ کا قول ہو یا اہل کوفہ کا۔

جو ان میں سے اہلِ تخریج ہوتے، وہ ایسے مسئلہ میں جس میں کوئی صراحت نہ پاتے تخریج اور اجتہاد فی المذہب سے کام لیتے اور ان اہل تخریج کی ان مذاہب کی طرف نسبت کی جاتی (جس میں وہ تخریج سے کام لیتے) اور کسی کو شافعی اور کسی کو حنفی کہا جاتا، خود محدثین میں سے جس کا کسی مذہب کی طرف زیادہ میلان ہوتا، اور وہ اکثر مسائل میں اس سے اتفاق کرتا، ان مذاہب کی طرف نسبت کی جاتی، چنانچہ نسائی اور بیہقی کو شافعی کہا جاتا ہے، اس وقت قضاء وافتاء کے منصب پر انہی لوگوں کا تقرر ہوتا، جو مجتہد ہوتے، اور فقیہ اس کو کہا جاتا جو اجتہاد کی قابلیت رکھتا تھا" (۱)

(۱) حجۃ اللہ البالغہ حصہ اول ص ۱۲۲ باب حکایات حال الناس قبل المأیۃ الرابعۃ وبعدہا

www.abulhasanalinadwi.org

تقلید کی ابتداء اور اس کے اسباب

چوتھی صدی کے بعد سے کچھ تو علماء کے اختلافات اور بحث ومناظرہ کی وجہ سے کچھ ان کے دینی واخلاقی معیار کے پست ہوجانے کی وجہ سے کچھ علمی انحطاط اور پست ہمتی اور کم محنتی کی وجہ سے اس کی ضرورت پیش آئی اور اسی میں عافیت وحفاظت سمجھی گئی کہ پیشرو ائمہ مجتہدین اور مذاہب مدوّنہ کی تقلید اختیار کرلی جائے اور معاصرین کے بجائے متقدمین کے فتوی پر عمل کیا جائے، لیکن عرصہ تک اس میں وہ تعیین والتزام اور تقلید شخصی کی وہ پابندی نہیں پیدا ہوئی تھی جو بعد کی صدیوں میں نظر آتی ہے، رفتہ رفتہ تعیین والتزام اور تقلید شخصی کو اختیار کیا گیا لیکن اس کی حیثیت بھی تشریعی نہیں، بلکہ انتظامی تھی، انتشار اور اتباع ہوی سے بچانے کیلئے نیز عملی سہولت کی بنا پر ایک مذہب کی تقلید عملاً رائج ہوگئی اور ایسا ہونا ایک قدرتی امر اور واقعات کے عین مطابق تھا، خصوصاً تاتاری یورش کے بعد عالم اسلام پر جو عالمگیر فکری انحطاط اور علمی زوال طاری ہوا اور ایسی بلند شخصیتوں کا عام فقدان ہوا جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتی ہوں، اور فرقوں اور فتنوں کی گرم بازاری ہوئی تو اسی میں عافیت سمجھی گئی کہ جن مذاہب کا کتاب وسنت کے مطابق ہونا ثابت ہے اور جو بحث ومباحثہ کے منازل طے کرچکے ہیں اور ان کی تدوین مکمل ہوچکی ہے ان پر عمل کیا جائے، یہ خصوصیات مذاہب اربعہ میں پورے طور پر پائی جاتی تھیں، اس لیے عام طور پر انہی کو اختیار کیا گیا۔

تقلید کی حیثیت

لیکن اس تقلید کی حیثیت بھی صرف یہ تھی کہ تقلید کرنے والا اس امام پر مذہب معین کی تقلید یہ سمجھ کر کرتا تھا کہ وہ دراصل کتاب وسنت پر عمل کررہا ہے اور صاحب شریعت (ﷺ) کی پیروی کررہا ہے، امام اس کے اور پیغمبر کے درمیان اسی طرح

www.abulhasanalinadwi.org

واسطہ ہے جیسے کوئی معاصر استاد، اس کی حیثیت محض ترجمان یا شارح کی ہے، مطاع یا شارع کی نہیں، شاہ ولی اللہؒ صاحب کے الفاظ ہیں:

لایدین الا بقول النبی ﷺ ولا یعتقد حلالاً الا ما أحلّه الله ورسوله ولاحراماً الا ماحرمه الله ورسوله لکن لما لم یکن له علم بما قاله النبی ﷺ ولا بطریق الجمع بین المختلفات من کلامه ولا بطریق الاستنباط من کلامه اتبع عالماً راشداً علیٰ انه مصیب فی ما یقول ویفتی ظاهراً متبع سنة رسول الله ﷺ فان خالف مایظنه اقلع من ساعته من غیر جدال ولااصرار (۱)

(ترجمہ) وہ مقلد صرف رسول اللہ ﷺ کے قول کا پابند ہے، حلال اسی کو سمجھتا ہے جس کو اللہ اور رسول حلال کہیں اور حرام اسی کو مانتا ہے جس کو اللہ و رسول حرام فرمائیں لیکن چونکہ آنحضرت ﷺ کے قول کا اس کو براہِ راست علم نہیں اور آپ سے جو مختلف حدیثیں روایت کی جاتی ہیں ان میں تطبیق کی اس کو لیاقت نہیں، اور نہ آپ کے کلام سے مسئلہ ثابت کرنے کا اس کو ملکہ ہے، اس لیے اس نے ایک صاحب رشد عالم کی اس بنا پر پیروی کی ہے کہ وہ ظاہری طور پر صحیح فتویٰ دے رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا پیرو ہے، اگر اس کے اس گمان کے خلاف نکلے گا تو وہ اسی وقت بغیر کسی بحث واصرار کے اس فتویٰ اور مذہب کی پیروی سے ہٹ جائے گا (اور حدیث پر عمل کرے گا)۔

(۱) حجۃ اللہ البالغہ حصہ اول ص ۱۲۴

www.abulhasanalinadwi.org

ظاہر ہے کہ اس طرح کی تقلید پر (جو محض سنت کی پیروی کی ایک عملی شکل ہے) کسی کو اعتراض نہیں ہوسکتا ایسے عام آدمی کو اجتہاد یا استنباط مسائل کا مکلّف قرار دینا تکلیف مالا یطاق اور بداہت کا انکار ہے، اس طرح کی تقلید یا کسی غیر معین یا معین فقیہ یا مجتہد کی طرف رجوع کا دستور ہر زمانہ میں رہا ہے، یہ رجوع خواہ احیاناً ہو خواہ دائمی، قابل اعتراض نہیں، حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

'استفتاء اور افتاء کا دستور مسلمانوں میں آنحضرت ﷺ کے زمانہ ہی سے چلا آرہا ہے، اس میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کہ کوئی شخص کسی معین شخص سے ہمیشہ استفتاء کرے، یا کبھی ایک سے کرے اور کبھی دوسرے سے کرے، ایسی حالت میں کہ اس کے خیال میں وہی بات ہے جو ہم نے اوپر ذکر کی ہے (یعنی یہ کہ اصل پیروی جناب پیغمبر خدا ﷺ کی ہے) اور اس میں کیا اشکال کی بات ہے، جب کہ ہم کسی بھی فقیہ پر اس طرح کا ایمان نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف علم فقہ کی وحی کی ہے، اور ہم پر اس کی اطاعت فرض کی ہے، اور یہ کہ وہ معصوم ہے، ہم اگر ان فقہاء یا ان ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کی اقتداء کرتے ہیں تو یہ سمجھ کر کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کا عالم ہے، اور اس کا قول یا تو کتاب وسنت کے کسی صریح کلام پر مبنی ہوگا یا ان دونوں میں سے مستنبط ہوگا، یا اس نے قرآن سے یہ سمجھا ہوگا کہ فلاں صورت میں جو حکم شرعی ہے، وہ فلاں علت کے ساتھ متعلق ہے، اور اس کا قلب اس پر مطمئن ہوگیا ہے اور اس نے غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کیا تو گویا وہ یہ کہتا ہے کہ میرا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جہاں کہیں یہ علت پائی جائے وہاں حکم یہ ہوگا، اور یہ مسئلہ جس کو مجتہد نے قیاس

www.abulhasanalinadwi.org

کیا ہے، وہ اسی عموم کے تحت میں آتا ہے، تو درحقیقت اس سب کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف ہوئی، لیکن بہرحال اس کے طریق میں کچھ ظنی چیزیں ہیں، اور اگر ایسا نہ ہوتا (اور بات بالکل صراحۃً اور نصاً ثابت ہوتی) تو کوئی صاحبِ ایمان کبھی کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا، اب اگر ہم کو رسول معصوم کی جن کی اطاعت ہم پر اللہ نے فرض کی ہے، کوئی حدیث صحیح سند سے ایسی پہنچ جائے جو اس کے مذہب کے خلاف دلالت کرتی ہے، اور ہم اس حدیث کو چھوڑ دیں اور اس (فقہ کے قیاس) کی پیروی کریں جو ظنی ہے، اور ایک اندازہ پر مبنی ہے تو ہم سے زیادہ ظالم کون ہوگا اور کل روز قیامت ہم خدا کو کیا جواب دیں گے''(۱)

پچھلی صدیوں کا غلو وانحراف

لیکن رفتہ رفتہ عوام میں جہالت نے اثر کیا، اور کہیں کہیں ائمہ کی حیثیت وسائط ووسائل کے بجائے مقصود اور ایک طرح سے شارع اور مطاع کی پیدا ہوگئی، لوگوں کو ان مذاہب سے بالذات دلچسپی اور ان کی اس درجہ عصبیت پیدا ہوگئی کہ وہ کسی حال میں ان کے ایک شوشہ یا نقطہ سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھے، اس سلسلہ میں عوام تو زیادہ قابل الزام نہیں کہ انہوں نے ان مذاہب کو سنت کی پیروی سمجھ کر اختیار کیا تھا، اور ان کیلئے ترجیح کے اسباب معلوم کرنا اور ان کے مطابق ترک مذہب یا ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال مشکل بھی تھا اور خطرناک بھی، لیکن بہت سے علماء کی یہ حالت تھی کہ ان کو اگر اپنے امام یا مذہب کے کسی مسئلہ کا حدیث وسنت کے خلاف ہونا ثابت ہوجائے اور اس کا قطعی علم

(۱) حجۃ اللہ البالغہ حصہ اول ص ۱۲۵

www.abulhasanalinadwi.org

حاصل ہوجائے کہ اس مسئلہ میں اپنے امام کا مسئلہ مرجوح اور دوسرے امام یا مذہب کا مسئلہ راجح اور حدیث وسنت کے مطابق ہے، اور اپنے مذہب اور عمل کے خلاف کیسی ہی صحیح وصریح احادیث ملیں تب بھی وہ اس مسئلہ کو ترک کرنے اور احادیث پر عمل کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے اور ان کی طبیعت اس کیلئے منشرح نہیں ہوتی، ایسے ہی لوگوں کے متعلق ساتویں صدی کے مشہور شافعی عالم شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام لکھتے ہیں:

ومن العجب العجيب ان الفقهاء المقلدين يقف احدهم علىٰ ضعف مأخذ امامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعا وهو مع ذلك يقلده فيه ويترك من شهدا الكتاب والسنة والأقيسة الصحيحة لمذهبهم جموداً على تقليد امامه بل يتحيل لدفع ظاهر الكتاب والسنة ويتأولها بالتاويلات البعيدة الباطلة نضالاً عن مقلَّده۔(۱)

(ترجمہ) حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بعض فقہائے مقلدین کو اپنے امام کی دلیل کے ایسے ضعف کا علم ہوجاتا ہے جس کا کوئی جواب نہیں، اور وہ اس کے باوجود اس مسئلہ میں اسی کی تقلید کرتے ہیں اور ان کا مذہب چھوڑ دیتے ہیں جن کی تائید میں کتاب وسنت اور صحیح قیاسات ہیں، محض اس لیے کہ ان کو امام کی تقلید سے انحراف گوارا نہیں، بلکہ کتاب وسنت کے ظاہر مطلب کو دفع کرنے کیلئے وہ ہزار تدبیریں کرتے ہیں، اور اپنے امام کی مدافعت میں ہر طرح کے بعید اور بے بنیاد تاویلوں سے ان کو احتراز نہیں ہوتا۔

(۱) حجۃ اللہ البالغہ حصہ اول ص ۱۲۴

www.abulhasanalinadwi.org

اسی طرح سے عوام کی ایک جماعت تھی، جو اپنے امام کو معصوم عن الخطاء سمجھتی تھی، اور جس کے قلب میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ اس کو امام کی تقلید کسی حال میں نہیں چھوڑنا ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ اسی طرح کے عوام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفی من یکون عامیاً ویقلد رجلا من الفقهاء بعینه یریٰ انه یمتنع من مثله الخطا وانّ ما قاله هو الصواب البتة واضمر فی قلبه ان لایترك تقلیده ان ظهر الدلیل علیٰ خلافه وذالك ماروٰاه الترمذی عن عدی بن حاتم انّه قال سمعته یعنی رسول الله ﷺ وسلم یقرأ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ قال انّهم لم یکونوا یعبدونهم ولکنهم کانوا اذا احلّوا لهم شیئاً استحلّوه واذا حرّموا علیهم شیئاً حرموه (۱)۔

(ابن حزم کا یہ کہنا کہ تقلید حرام ہے) اس عامی کی تقلید کے بارے میں صحیح ہے جو کسی ایک معین فقیہ کی تقلید کرتا ہے، اور اس کا اعتقاد ہے کہ خطا اس سے ناممکن ہے اور جو کچھ اس نے کہہ دیا وہ مطلقاً و یقیناً صحیح ہے اور جس نے دل میں یہ عزم اور فیصلہ کر رکھا ہے کہ وہ اپنے امام یا عالم کی تقلید نہیں چھوڑے گا، اگرچہ دلیل اس کے خلاف ثابت ہو جائے، اسی طرح کی تقلید کے متعلق وہ حدیث وارد ہوئی ہے جو حضرت عدی بن حاتم نے روایت کی ہے، کہتے

(۱) حجۃ اللہ البالغہ حصہ اول ص ۱۲۴

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (سورہ توبہ کی) یہ آیت تلاوت فرمائی:

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

(ان یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے علماء ومشائخ کو خدا کو چھوڑکرارباباً من دون اللّٰہ بنالیا، آپ نے فرمایا کہ وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے ان کا معاملہ صرف یہ تھا کہ جس چیز کو یہ علماء ومشائخ حلال کردیں اس کو حلال سمجھ لیتے تھے، اور جس کو وہ حرام کردیں اس کو حرام بنالیتے تھے۔

امام ابن تیمیہ کی رائے تقلید واجتہاد کے بارے میں

اس طرح کی غیر مشروط وغیر مقید تقلید پر جو اتباع واطاعت رسول کے متوازی وبالمقابل ہے، ہر زمانہ کے محققین اور علمائے راسخین نے اعتراض وانکار کیا ہے، وہ نہ تو ابن حزم اور بعض دوسرے غالی علماء کی طرح تقلید کی حرمت کے قائل ہیں، نہ ایسی غیر مشروط تقلید کی اجازت دیتے ہیں، جس میں اور رسول ؐ کی اتباع واطاعت میں کوئی فرق نہ ہو، ان علماء میں جن کے رائے اور تحریر اس مسئلہ میں بڑی متوازن اور معتدل ہے، متقدمین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور متاخرین میں شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہیں، حافظ ابن تیمیہؒ ایک طرف تو اس واقعہ کا اظہار واقرار کرتے ہیں کہ عوام اور غیر مجتہد علماء کیلئے فقہاء ومجتہدین کی طرف رجوع کرنے اور ان کی تقلید سے چارہ نہیں، اور یہ کہ ائمہ کی حیثیت وسائل اور وسائط کی ہے، اور مذاہب کی پیروی ایک عملی ضرورت اور قدرتی امر ہے۔ چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور جس کو اللہ اور اس کے رسول ؐ نے حلال کیا اس کو حلال سمجھنا اور جس کو اللہ اور اس کے

www.abulhasanalinadwi.org

رسولؐ نے حرام کیا اس کو حرام سمجھنا، اور جس کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے واجب قرار دیا اس کے ساتھ واجب کا سا معاملہ کرنا تمام انس وجن پر واجب ہے اور ہر شخص پر ہر حال میں سرّاً وعلانیۃً فرض ہے لیکن چونکہ بہت سے احکام ایسے ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے اس لیے لوگوں نے اس بارے میں ان لوگوں کی طرف رجوع کیا جو ان کو ان کی تعلیم دیں، اس لیے کہ وہ رسول کی تعلیم سے زیادہ واقف ہیں، اور اس کی منشاء ومراد سے زیادہ باخبر ہیں، پس ائمہ مسلمین کی جن کی مسلمانوں نے پیروی کی ہے، حیثیت وہی ہے جو وسائل اور راستوں کی، اور ان رہنماؤں کی ہے جو لوگوں کو رسول تک پہنچاتے ہیں، اس کے کلام کی تبلیغ کرتے ہیں، اور اپنے اپنے اجتہاد واستطاعت کے مطابق آپ کی مراد سمجھاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایک عالم کو ایسا علم وفہم عطا فرماتا ہے، جو دوسرے عالم کو حاصل نہیں، اس دوسرے عالم کے پاس کسی دوسرے مسئلہ میں ایسا علم ہوتا ہے جو پہلے عالم کے پاس نہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "وداؤد وسُلیمٰن اذ یحکمٰن فی الحرث اذنفشت فیه غنم القوم، وکنا لحکمهم شهدین ففهمنٰها سلیمٰن وکلاً اٰتینا حکماً وعلماً"۔ (الانبیاء—۷۸—۷۹)

دیکھو داؤد وسلیمان دونوں خدا کے جلیل القدر پیغمبر تھے، دونوں نے ایک مقدمہ میں فیصلہ کیا، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک (حضرت سلیمانؑ) کو اس مقدمہ میں خصوصی فہم عطا فرمایا،

www.abulhasanalinadwi.org

لیکن دونوں کی تعریف فرمائی، علماء بھی انبیائے کرام کے وارث ہیں، علماء کا اجتہاد احکام کے بارے میں ایسا ہی ہے، جیسے مختلف لوگ (اندھیرے یا کسی نامعلوم جگہ پر، دلائل) وقرآئن سے کعبہ کی سمت متعین کریں اگر چار آدمی ہیں، اور ان مین سے ہر ایک اپنے اپنے گروہ کے ساتھ ایک ایک سمت کی طرف نماز پڑھتا ہے اور ہر ایک یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ صحیح سمت یہ ہے جس طرف وہ نماز پڑھ رہا ہے تو چاروں کی نماز صحیح ہے، اگر چہ جس نے کعبہ کی طرف نماز پڑھی ہے، وہ ایک ہی ہوگا، اور یہی وہ اجتہاد کرنے والا ہوگا جس کو دہرا اجر ملے گا، جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے، "اذا اجتهد الحاكم فأصاب فله أجران وان اجتهد فأخطأ فله أجر" (جب فیصلہ کرنے والا اجتہاد کرتا ہے اور صحیح فیصلہ پر پہنچ جاتا ہے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر اجتہاد کرتا ہے اور اجتہاد میں غلطی واقع ہوتی ہے تو وہ ایک اجر سے محروم نہیں رہتا)(۱)

آگے چل کر وہ فرماتے ہیں کہ کسی خاص مذہب یا فقہ پر کسی شخص کا نشو ونما ہونا اور کسی خاص طریقہ کے مطابق عبادات واحکام شریعت کو بجالانا ایک قدرتی امر ہے، اور ایسا قدیم زمانہ سے ہوتا چلا آیا ہے، لیکن مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے کو اصلاً خدا اور رسول کا مطیع وفرمانبردار سمجھے، اور اس کیلئے تیار رہے کہ جو کچھ کتاب وسنت سے ثابت ہو جائے گا وہ بلا تردّد اس کی پیروی اختیار کرلے گا:۔

"انسان عام طور پر اپنے والدین یا آقا یا اہل شہر کے دین ومذہب پر پلتا، اور بڑھتا ہے، جیسے کہ بچہ دین کے بارے میں اپنے

(۱) فتاویٰ شیخ الاسلام۔ جلد ۲ ص ۲۰۱-۲۰۲

www.abulhasanalinadwi.org

والدین، سرپرستوں اور ہم وطنوں کی پیروی کرتا ہے لیکن ضروری ہے کہ انسان جب بالغ ہو اور ہوش سنبھالے تو اس وقت اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کی پابندی اختیار کرے، خواہ وہ پابندی کسی چیز میں ہو، اور ان لوگوں میں نہ ہو جن کے متعلق ارشاد خداوندی ہے "**واذا قيل لهم اتبعوا مآ انزل الله قالو بل نتبع ما ألفينا عليه آبآئنا**" (اور جب ان سے کہا گیا کہ اللہ نے جو کچھ اتارا ہے، اس کی پیروی کرو تو انہوں نے صاف جوب دیا کہ نہیں ہم تو اسی راستہ پر چلتے رہیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے) پس جو شخص اللہ ورسول کی اطاعت کے بجائے اپنی اور اپنے والدین کی عادت اور اپنی قوم کے رسم ورواج کی پابندی کرے گا تو وہ ان ہی اہل جاہلیت میں سے ہوگا، جو وعید خداوندی کے مستحق ہیں، اسی طرح سے جس کے لئے کسی مسئلہ میں وہ صحیح راستہ اور حکم شرعی واضح ہو گیا، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث فرمایا ہے، پھر اس نے اس کو قبول نہیں کیا، اور اپنی عادت کی طرف رجوع کیا تو وہ قابلِ مذمت اور مستحق عقاب ہے"۔(۱)

ایسے عالم کے متعلق جو تحقیق واستدلال کی صلاحیت رکھتا ہو، اور یہ معلوم کرسکتا ہو کہ اس مسئلہ میں راجح قول کس کا ہے وہ تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

أمّا القادر على الاستدلال فقيل يحرم عليه التقليد مطلقاً، وقيل يجوز مطلقاً، وقيل يجوز عند الحاجة كما إذا أضاق الوقت عن الاستدلال وهٰذا القول أعدل (۲)۔

---

(۱) فتاویٰ شیخ الاسلام۔ جلد۲ص ۲۰۲ (۲) فتاویٰ شیخ الاسلام۔ جلد۲ص ۳۸۴

www.abulhasanalinadwi.org

(ترجمہ) جو شخص استدلال پر قدرت رکھتا ہو اس کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ اس کیلئے تقلید مطلقاً حرام ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً جائز ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ ضرورت کے وقت جائز ہے، مثلاً وقت میں اتنی گنجائش نہ ہو کہ وہ براہِ راست تحقیق کر سکے اور دلیل سے مسئلہ نکال سکے اور یہی قول زیادہ منصفانہ اور قرین صواب ہے۔

البتہ جس کو اجتہاد تام پر قدرت حاصل ہو، اس کیلئے ان کا فیصلہ ہے کہ اگر کسی جانب اس کو نصوص نظر آئیں اور ان نصوص کا مقابلہ کرنے اور ان کو دفع کرنے والی کوئی وجہ نہ ہو تو اس کو نصوص کی پیروی لازم ہے، فرماتے ہیں:-

اما اذا قدر على الاجتهاد التام الّذى يعتقد معه أن القول الآخر ليس معه ما يدفع به النّص فهٰذا يجب عليه إتباع النصوص، وإن لم يفعل كان متّبعاً للظّن وماتهوىٰ الأنفس وكان من أكبر العصاة لِلّٰه ولرسوله"۔(۱)

(ترجمہ) البتہ اگر اس کو ایسے اجتہادِ تام پر قدرت حاصل ہے کہ اس کو یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ فلاں مسئلہ کی کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس سے نص کو دفع کیا جا سکے تو اس پر نصوص کی پیروی واجب ہے، اگر ایسا نہ کرے گا (اور مخالف نص قیاس یا مسئلہ پر تقلیداً قائم رہے گا) تو وہ "ان يتبعون الّا الظن وماتهوىٰ الانفس" (وہ گمان اور خواہش نفس کی پیروی

(۱) فتاویٰ شیخ الاسلام۔ جلد۲ ص ۳۸۵

www.abulhasanalinadwi.org

کرتے ہیں) کی وعید قرآنی میں آئے گا، اور اللہ ورسول کا بڑا نافرمان اور عاصی کہلائے گا۔)

امام ابن تیمیہ کا عمل اور ان کا فقہی مرتبہ

جہاں تک ان کے عمل کا تعلق ہے انہوں نے بیشتر مسائل میں امام احمد بن حنبل کے مذہب واصول پر فتویٰ دیا ہے، اکثر مسائل میں ان کی رائے اور فتویٰ ائمہ اربعہ یا ائمہ ہدیٰ میں سے کسی نہ کسی امام کے اجتہاد وفتویٰ کے مطابق ہے، اور بعض مسائل میں انہوں نے اجتہاد سے کام لیا ہے، اور کتاب وسنت اور اجماع وقیاس کی روشنی میں انہوں نے فتویٰ دیا ہے، ان سب صورتوں کا موازنہ کرتے ہوئے ان کے متعلق صحیح یہ ہے کہ وہ مذہب حنبلی کے مجتہد منتسب (۱) تھے۔ (۲)

امام ابن تیمیہ کی دعوت اور اس کا اثر

امام ابن تیمیہ کا یہ تجدیدی کارنامہ ہے کہ انہوں نے جس طرح کتاب وسنت کو عقائد کا ماخذ بنانے کی پرزور دعوت دی اور خود کامیابی کے ساتھ اس پر عمل کیا، اسی طرح کتاب وسنت کو فقہیات واحکام کا ماخذ بنانے اور ان کو حق کا معیار قرار دینے کی طاقتور دعوت دی اور اپنے زمانہ میں اس پر عمل کر کے دکھایا اور "فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ" (۳) پر عمل کا نمونہ پیش کیا، ان کی اس دعوت نے ان فقہی دائروں اور امت کے علمی حلقوں میں جن میں عرصہ

---

(۱) مجتہد منتسب جو فروع واصول میں مجتہد ہو لیکن اپنے طریق استدلال وطریق استنباط میں کسی امام کے ساتھ متفق ہو اور عام طور پر اس کے دائرہ سے نہ نکلتا ہو۔ (۲) امام ابن تیمیہ کی فقہ کی حیثیت اور ان کی مجتہدانہ درجہ کی تفصیل معلوم کرنے کیلئے ملاحظہ ہو "ابن تیمیہ" از محمد ابوزہرہ ص ۳۵۰-۳۵۲ (۳) النساء-۵۹۔

www.abulhasanalinadwi.org

سے نئے غور وفکر اور احکام ومسائل کے کتاب وسنت سے مقابلہ کرنے کا کام بند ہوگیا تھا اور اجتہاد واستنباط کا سلسلہ عرصہ سے مسدود تھا، نئی علمی وفکری حرکت اور براہِ راست کتاب وسنت کی طرف رجوع کی تحریک پیدا ہوئی، اس طرح سے انہوں نے اس صحیح اسلامی فکر کا احیاء کیا جو قرونِ اولیٰ میں پائی جاتی تھی، اور مسلمانوں کی زندگی کی بنیاد تھی، اور وہ اپنے ان تمام علمی وعملی کارناموں کی بنا پر تاریخ اسلام کی ان چیدہ شخصیتوں میں سے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اس دین کی تجدید واحیاء کا کام لیا "ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشآء، والله ذو الفضل العظيم"(۱)

(۱) الجمعہ-۴

www.abulhasanalinadwi.org

اجتہاد اور تقلید حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تحریروں کی روشنی میں

تطبیق بین الفقہ والحدیث

عرصہ سے عالم اسلام کے بہت سے علمی، تدریسی اور تصنیفی حلقوں میں فقہ وحدیث کے دو متوازی سلسلہ چلے آرہے تھے، جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر (جب سے اس کا اجرا ہوا تھا) دوسرے سے مستغنی و بے نیاز ہوکر اپنا سفر طے کر رہا تھا، اور اکثر اوقات ایک دوسرے سے جدا ہوکر پھر وہ کسی نقطہ پر جا کر ہم کنار نہیں ہوتے تھے، بہت سے فقہی مسلکوں میں حدیث اسی وقت زیر بحث آئی، جب مسلک کی تائید اور دوسرے مذہبِ فقہی کے نمائندوں کے اس اعتراض کو دفع کرنا ہوتا کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے، یا دوسرے مذہب پر اس کی ترجیح ثابت کرنی ہوتی، صحاح کے درس میں یا تو ان احادیث کی تاویل کی جاتی جو اپنے مذہب کے خلاف پڑتیں یا دوسری کتابوں کی ان احادیث کو پیش کیا جاتا جو اپنے مذہب کی تائید میں ہیں، اگر کسی مذہب فقہی کی کسی مستند و معیاری کتاب میں احادیث سے استدلال کیا گیا ہے تو بعض اوقات اس مذہب کے ان علماء نے جن کی فن حدیث پر وسیع نظر تھی اور محدثانہ ذوق رکھتے تھے، ان احادیث کی تخریج کی کوشش کی ہے اور ان پر محدثانہ کلام کیا ہے، جن سے اس کتاب میں استدلال کیا گیا ہے، (۱) تو یہ سعی

(۱) اس کی ایک روشن مثال علامہ زیلعی کی کتاب "نصب الرایة فی تخریج احادیث الھدایة" ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

محمود بھی اس مذہب فقہی کی تائید ونصرت اور اس کو مطابق حدیث ثابت کرنے کا ایک طریقہ اور اس مذہب کی ایک عالمانہ اور محققانہ خدمت تھی، جو قابل قدر اور مستحق شکر ہے، نفس مسائل پر نظر ثانی کرنے اور فقہ وحدیث میں تطبیق کی کوشش نہیں تھی۔

مذاہب فقہیہ کے کچھ ایسے آہنی سانچے بن گئے تھے، جن کا ٹوٹ جانا تو ممکن تھا، (۱) پھیلنا ممکن نہیں تھا، ہر مذہب کے پیرو اپنے مذہب کے متعلق یہ خیال قائم کیے ہوئے تھے کہ ان کے مذہب کا ۱۰۰ فیصدی صحیح ہونا تو اصل حقیقت ہے باقی بشریت کی بناء پر غلطی کا امکان ضرور ہے، کسی نے اس طرز فکر کو بڑے بلیغ انداز میں اس جملہ سے ادا کیا ہے، "مذهبنا صواب يحتمل الخطاء ومذهب غيرنا خطاءٌ يحتمل الصواب" (ہمارا مذہب اصل میں تو درست اور حق ہے خطا کا احتمال ہے، اور دوسرے کا مذہب (فقہی) اصلاً ناصواب ہے، صحت کا احتمال ہے) اس طرز فکر کا نتیجہ یہ تھا کہ مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے درمیان (جن کو امت نے عام طور پر سند قبول عطا کی اور جن کے متعلق اہل حق واہل علم کے درمیان شروع سے یہ اصولی طور پر تسلیم کیا جاتا رہا ہے کہ حق ان میں دائر ہے، ان کے بانی اور مؤسس ائمۃ الہدیٰ اور امت کے پیشوا تھے، اور یہ مذاہب

---

(۱) یعنی اس مذہب کو ترک کر کے دوسرے مذہب کو اختیار کر لینے، حنفیت سے شافعیت یا بالعکس، یا عمل بالحدیث کا مسلک اختیار کر لینے کی مثالیں ہر زمانہ میں ملیں گی، لیکن ایک ہی مذہب کے دائرہ میں رہ کر بعض مسائل سے جزئی طور پر عدول اور کسی دوسرے مذہب کے مسئلہ کو اختیار کر لینے، یا کسی مسئلہ میں حدیث پر عمل کرنے کی مثالیں بہت کم ملیں گی، اس لیے کہ بہت سے حضرات کے نزدیک "تجزئی تقلید" صحیح نہیں، یعنی کسی مذہب وامام کا مقلد کسی مسئلہ میں بھی اگر دوسرے مذہب وامام کی تقلید اور اس کے مسئلہ پر عمل کرے تو وہ اپنے امام کی تقلید کے دائرہ سے خارج ہو جاتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

حقانی ہیں) خلیج روز بروز عمیق اور وسیع ہوتی چلی جارہی تھی، ان پر عمل کرنے والوں کے درمیان اختلاف منافرت تک، اور بحث ومناظرہ بعض اوقات مجادلہ اور مقاتلہ تک پہنچ جاتا تھا، اس سے زیادہ سخت معاملہ ان اہل علم کے ساتھ ہوتا تھا، جو کلی یا جزئی طور پر عبادات میں حدیث پر عمل شروع کردیتے تھے، اس کی ایک مثال اسی بارہویں صدی کے ایک سلفی عالم ومحدث مولانا شیخ محمد فاخر زائر الہ آبادی (۱۱۲۰ھ-۱۱۶۴ھ) ہیں جو (بعض مصنفین کی روایت کے مطابق) اپنے اتباع حدیث وسلفیت کی وجہ سے عوام کی ناراضگی کا نشانہ بنے (۱)۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے مجددانہ کارناموں میں ایک کارنامہ اور خدمت حدیث اور انتصار للسنۃ ہی کے سلسلہ زرّیں کی ایک اہم کڑی ان کی فقہ وحدیث میں تطبیق کی اور پھر مذاہب اربعہ میں جمع وتالیف کی کوشش تھی، اس سے اس بشارت نبویؐ کی تصدیق ہوتی ہے، جس میں کہا گیا تھا کہ 'تم سے خدا اس امت کی شیرازہ بندی کے ایک خاص نوع کا کام لے گا'' (۲)

جہاں تک ہندوستان کے تحتی برّ اعظم کا تعلق ہے، اس میں اس طرز فکر اور جمع وتطبیق کی اس کوشش کا سراغ نہیں ملتا اور اس کے تاریخی وعلمی اسباب ہیں، یہ تحتی برّ اعظم شروع سے ان فاتحین اور بانیان سلطنت کے زیر نگین رہا جو یا ترکی النسل تھے، یا افغانی النسل اور یہ دونوں قومیں تقریباً اپنے اسلام قبول کرنے کے زمانہ سے مذہب حنفی کی حلقہ بگوش بلکہ اس کی حمایت اور نشر واشاعت میں سرگرم اور پرجوش رہیں، یہاں اسلام کی تقریباً ۸۰۰ سال کی تاریخ میں مذہب مالکی اور مذہب حنبلی کو تو قدم بھی رکھنے کا موقع نہیں ملا، شافعی مذہب سواحل تک محدود رہا، یا جنوبی ہند

---

(۱) شیخ فاخر الہ آبادی کے تذکرہ کیلئے ملاحظہ ہو 'نزہۃ الخواطر' ج ۶

(۲) فیوض الحرمین ص ۶۲

www.abulhasanalinadwi.org

مدراس اور شمالی کنارے (موجودہ کرناٹک کے) بعض حصوں بھٹکل وغیرہ اور کیرالہ میں محدود رہا، ان میں بھی مالابار (قدیم بلاد المعبر) کو مستثنیٰ کر کے جہاں زیادہ تر شافعی مسلک کے داعیان اسلام، تجار، مشائخ اور فقیہ وعالم آئے، شیخ مخدوم فقیہ علی مہایمی (م ۸۳۵ھ) صاحب تفسیر تبصیر الرحمان وتیسیر المنان اور مالابار کے شیخ مخدوم اسماعیل فقیہ السکری الصدیقی (م ۹۴۹ھ) نیز مخدوم شیخ زین الدین ملیباری (م ۹۲۸ھ) صاحب فتح المعین کے علاوہ ہمارے محدود علم میں اس پایہ کے شافعی فقیہ ومحدث نہیں پیدا ہوئے، (۱) جو ہندوستان (بالخصوص شمالی ہند کے) علمی حلقوں پر گہرا اثر ڈالتے، اور علماء حنفیہ کو فقہ شافعی پر عمیق نظر ڈالنے اور اس سے استفادہ پر آمادہ کرتے، ہندوستان سے جو علماء اور طالبان علم حدیث وفقہ حجاز جاتے (جو ترکی سلطنت کے زیر انتظام تھا، اور ترک ہر دور میں ۱۰۰ فیصدی سنی اور حنفی رہے ہیں) وہ بھی زیادہ تر اپنے ہی مذہب کے علماء اور خصوصیت کے ساتھ اپنے ہم وطن اساتذۂ فقہ وحدیث سے رابطہ رکھتے، جو وہاں ہندوستان یا افغانستان سے ہجرت کر کے چلے گئے تھے، اور ان کے شاگردوں کا بڑا حلقہ تھا۔ (۲)

شاہ ولی اللہ صاحبؒ پہلے شخص تھے، جن کا حرمین شریفین میں اصل تلمذ اور استفادہ ایک جلیل القدر شافعی محدث شیخ ابوطاہر کردی مدنی سے تھا، وہ ان کے علم، ان کی شخصیت اور ان کے باطنی کمالات، وسعت نظر اور وسعت قلب سے بھی متاثر ہوئے، شاہ صاحب نے 'انسان العین' میں اپنے جن مشائخ حرمین کا تعارف کرایا، ان میں صرف ایک شیخ تاج الدین قلعی حنفی عالم ومحدث تھے، ان مشائخ میں شیخ محمد وفد اللہ بن شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مالکی المذہب

---

(۱) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب 'عرب ودیار ہند' تالیف مولانا خواجہ بہاء الدین اکرمی ندوی بھٹکلی۔ (۲) مثلاً علامہ شیخ علی متقی برہانپوری، صاحب کنز العمال، علامہ قطب الدین نہروالی، ملا علی قاری ہروی مکی، شیخ عبدالوہاب متقی اور شیخ محمد حیاۃ سندی وغیرہ۔

www.abulhasanalinadwi.org

تھے، جس دور میں شاہ صاحب نے حرمین میں قیام کیا ہے، اس دور میں حجاز کی علمی قیادت اور تعلیم وتدریس کے میدان (بالخصوص فنِ حدیث کی تعلیم) میں سربراہی اور پیشوائی علماء ومحدثین یمن یا کردی النسل علماء کے ہاتھ میں تھی، اور وہ بالعموم شافعی تھے، ان تمام اسباب کی بناء پر شاہ صاحب کو فقہ شافعی کے اصول وقواعد، اس کی خصوصیات اور بعض مابہ الامتیاز چیزوں سے واقف ہونے کا پورا موقع ملا اور اسی طرح فقہ مالکی اور فقہ حنبلی سے بھی باخبر ہونے کا وہ موقع ملا جو علمائے ہندوستان کو طویل عرصہ سے (تاریخی، جغرافیائی، سیاسی، اور تمدنی اسباب کی بناء پر) میسر نہیں آیا تھا، اور اس طرح مذاہب اربعہ کا تقابلی مطالعہ (الفقہ المقارن) ان کیلئے ممکن اور آسان ہوا، جو ان علماء کیلئے دشوار تھا، جن کو یہ مواقع حاصل نہیں ہوئے تھے۔

شاہ صاحب ۱۱۴۳ھ میں تیس سال کی عمر میں جب وہ تقریباً بارہ سال ہندوستان میں درس دے چکے تھے عازم حجاز ہوئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی طبعیت میں فطری طور پر جو جامعیت، نظر وقلب میں وسعت، اور فطرتاً تطبیقی ذوق، اور عارف رومیؒ کی اس وصیت پر عمل کرنے کا فطری رجحان پیدا کیا تھا کہ

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

اس کی بناء پر سفر حجاز سے پہلے ہی ان کے اندر تطبیق بین الفقہ والحدیث کا جذبہ اور فقہائے محدثین کے مسلک کو ترجیح دینے اور اس کو اپنی زندگی کا وتیرہ بنانے کا عزم پیدا کر دیا گیا تھا، "**الجزء اللطیف فی ترجمة العبدالضعیف**" میں خود تحریر فرماتے ہیں:-

بعد ملاحظۂ کتب مذاہب اربعہ واصول فقہ ایشاں واحادیثے کہ
متمسک ایشاں است قرار داد خاطر بمدد نور غیبی روش فقہائے

www.abulhasanalinadwi.org

محدثین افتاد، بعدازاں شوق زیارت حرمین محترمین در سر افتاد(۱)

(ترجمہ) مذاہب اربعہ اوران کے اصولِ فقہ کی کتابوں کے مطالعہ اور جن احادیث سے وہ استدلال کرتے ہیں، ان پر غور وفکر کرنے کے بعد طبیعت میں فقہائے محدثین کی روش کی پسندیدگی قرار پذیر ہوئی، اس میں نور غیبی کی مدد بھی شامل تھی، اس کے بعد حرمین محترمین کی زیارت کا شوق دامن گیر ہوا۔

شاہ صاحب نے غالی فقہاء (جو اپنے مذہب سے سرمو انحراف کرنے کیلئے تیار نہیں) اور فرقۂ ظاہریہ (جو مطلقاً فقہ کا منکر اور ان فقہاء کی شان میں لب کشائی کرتا ہے، جو حاملین علم کے سرتاج اور اہل دین کے امام وپیشوا ہیں) کی روش پر سخت تنقید کی ہے، اور دونوں کے غلو وانتہا پسندی کو ناپسند کیا ہے، اور صاف لکھا ہے کہ ''انّ الحق امر بین بین'' معاملہ بین بین ہے، نہ پہلا فریق ۱۰۰ فیصدی حق پر ہے، نہ دوسرا فریق۔

شاہ صاحبؒ اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''ایک طرف کلام فقہاء پر تخریج، دوسری طرف احادیث کے الفاظ کا تتبع، دونوں کی دین میں مستحکم اصل موجود ہے، اور ہر زمانہ کے علمائے محققین ان دونوں اصولوں پر عمل کرتے رہے ہیں، بعض ایسے ہیں جن کا تخریج کے بارے میں قدم پیچھے اور حدیث کے الفاظ کے تتبع میں قدم آگے ہے، اور بعض اس کے برعکس، ان میں سے کسی ایک اصول سے بھی مطلقاً صرف نظر مناسب نہیں، جیسا کہ فریقین کے عوام کا شیوہ ہے، اس بارے میں صراط مستقیم

(۱) الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف مشمولہ انفاس العارفین مطبع مجتبائی ص ۲۰۳-۲۰۴

www.abulhasanalinadwi.org

یہی ہے کہ دونوں کے درمیان تطبیق کی کوشش کی جائے، اور ایک کی کمی دوسرے سے پوری کی جائے، اور یہی امام حسن بصریؒ کا قول ہے"۔(۱)

اپنے فارسی وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

درفروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میاں فقہ وحدیث کردن ودائماً تفریعات فقہیہ رابر کتاب وسنت عرض نمودن۔

(ترجمہ) مسائل فروعی میں ایسے علماء محدثین کی پیروی کرنی چاہئے، جو فقہ وحدیث دونوں کے عالم ہوں، مسائل فقہیہ کو کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ سے ملاتے رہنا چاہئے۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:-

امت رابہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب وسنت استغناء حاصل نیست (۲)

امت کیلئے قیاسی مسائل کا کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ سے تقابل کرتے رہنا ضروری ہے، اس سے کبھی بے نیازی نہیں ہوسکتی۔

شاہ صاحب کا سارا علمی نشو ونما فقہ حنفی واصول فقہ حنفی کے ماحول میں ہوا تھا، اور وہ مذہب حنفی کی خصوصیات سے اتنا ہی واقف اور ان کے اتنا ہی قائل تھے، جتنا کہ کوئی بڑے سے بڑا حنفی عالم ہوسکتا ہے، وہ اس حقیقت سے واقف تھے، اور جابجا اس کا اظہار کرتے ہیں کہ مختلف تاریخی، علمی، سیاسی وتمدنی اسباب کی بناء پر

---

(۱) حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۶ جزء اول، تفصیل کیلئے پوری بحث "حکایۃ حال الناس قبل المأۃ الرابعۃ وبعدھا" میں دیکھی جائے۔ (۲) وصیت نامہ فارسی ص ۲-۳

www.abulhasanalinadwi.org

جتنی فقہ حنفی (نیز فقہ شافعی) کی خدمت ہوئی ہے، اوران کی نوک پلک درست کی گئی ہے، ان کے متون کی شرح اور اصول کی تفریع کی گئی ہے، اتنا کسی دوسرے مذہب کے سلسلہ میں پیش نہیں آیا، وہ امام ابوحنیفہؒ کے متعلق لکھتے ہیں:-

كان عظيم الشان فى التخريج على مذهب ابراهيم وأقرانه دقيق النظر فى وجوه التخريجات مقبلا على الفروع اتم اِقبال (۱)

(ترجمہ) امام ابوحنیفہ کا مرتبہ ابراہیم نخعی اوران کے ہم مرتبہ علماء کے مذہب پر اجتہاد واستنباط کے سلسلہ میں بہت بلند تھا، ان تخریجات کے وجود واشکال میں وہ بڑی دقت نظر رکھتے تھے، مسائل جزئیہ اور فروع کے استخراج میں ان کا انہماک بہت بڑھا ہوا تھا۔

لیکن اس کے ساتھ وہ امام مالکؒ کی عظمت اور خاص طور پر موطا کی صحت، اس کے مرتبہ ومقام، اور اس کی برکت کے نہ صرف قائل بلکہ داعی ہیں، اور اس کو حدیث کی اساسی کتابوں میں مانتے ہیں (۲)، دوسری طرف مذہب شافعی کے منقح و مصفّے اور حدیث سے اقرب ہونے کا ذکر بلند الفاظ میں کرتے ہیں، اور امام شافعی کی دقیق النظری کے بڑے قائل ہیں۔ (۳)

پھر اس کے ساتھ امام احمد بن حنبلؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:-

وكان اعظمهم شأناً وأوسعهم روايةً، وأعرفهم للحديث مرتبةً وأعمقهم فقهاً احمد بن حنبلؒ ثم

---

(۱) ''الانصاف فی بیان أسباب الاختلاف'' طبع دارالنفائس، بیروت ص ۳۹ (۲) ملاحظہ ہو مقدمہ مصفّٰی، (۳) ملاحظہ ہو الخیر الکثیر ص ۱۲۴ و کتاب قرۃ العینین ص ۲۴۲۔

www.abulhasanalinadwi.org

اسحاق بن راھویہ (۱)

(ترجمہ) ان فقہاء ومحدثین میں سب سے عالی مرتبہ وسیع الروایۃ، حدیث سے باخبر اور تفقہ میں عمیق النظر امام احمد بن حنبلؒ پھر اسحاق بن راہویہ ہیں۔

ان ائمہ اربعہ کے علوّ شان، وسعت علم، دقت نظر اور امت پر احسان سے (ان کتابوں اور تاریخ وتراجم کے ذریعہ) براہ راست واقفیت اور ان سے دلی عقیدت کی بناء پر شاہ صاحب میں وہ جامعیت اور فقہ وحدیث کے تقابلی مطالعہ میں وہ توازن واعتدال پیدا ہوگیا، جس کی قدرۃً ان علماء ومصنفین سے توقع نہیں کی جاسکتی، جن کا مطالعہ اور ذہنی وابستگی ایک ہی مذہب فقہی اور اس کے بانی ومؤسس سے تھی، اور ان کو اس دائرہ سے باہر نکلنے کی (بہت سے طبعی وشخصی اسباب کی بناء پر) نوبت نہیں آتی۔

اجتہاد وتقلید کے درمیان نقطۂ اعتدال

حضرت شاہ صاحبؒ کے ان وہبی کمالات اور تجدیدی امتیازات میں سے جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص طور پر نوازا تھا، وہ متوازن ومعتدل مسلک اور وہ نقطۂ اعتدال ہے، جو انہوں نے اجتہاد وتقلید کے درمیان اختیار کیا، اور جو ان کی طبع سلیم، ذوق صحیح اور حقیقت پسندی کا بہترین مظہر ہے، ایک طرف وہ لوگ تھے، جو ہر مسلمان کو خواہ عامی ہو یا خاص براہ راست کتاب وسنت پر عمل کرنے اور ہر معاملہ میں وہیں سے احکام حاصل کرنے کا مکلّف قرار دیتے تھے، اور تقلید کی مطلق حرمت کے قائل تھے، اگر ان کے کلام میں اس کی صراحت نہیں ملتی تو ان کے طرز عمل اور ان کی تحریروں سے قدرتی طور پر یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے، اس گروہ میں

(۴) حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۵۰

www.abulhasanalinadwi.org

متقدمین میں علامہ ابن حزمؒ پیش پیش نظر آتے ہیں، لیکن یہ بالکل ایک غیر عملی بات ہے اور اس کا ہر مسلمان کو مکلف قرار دینا تکلیف مالا یطاق ہے۔

دوسری طرف وہ گروہ تھا جو تقلید کو اسی طرح ہر مسلمان پر واجب قرار دیتا تھا، اور اس کے تارک کو سخت فقہی احکام 'فاسق' اور 'ضال' سے یاد کرتا تھا جیسا کہ پہلا گروہ مقلدین اور کسی خاص مذہب فقہی کے متبعین کو، یہ گروہ اس حقیقت کو بھول جاتا تھا کہ تقلید عوام کو نفسانیت اور خودرائی سے بچانے، مسلم معاشرہ کو انتشار اور فوضویت (انارکی) سے محفوظ رکھنے، دینی زندگی میں وحدت ونظم پیدا کرنے، اور احکام شریعت پر بسہولت عمل کرنے کا موقع دینے کی ایک انتظامی تدبیر ہے، لیکن انہوں نے اس انتظامی عمل کو تشریعی عمل کا درجہ دے دیا، اور اس پر اس شدت سے اصرار کیا جس نے اس کو ایک مذہب فقہی اور مسئلۂ اجتہادی کے بجائے منصوص اور قطعی عمل اور مستقل دین کا درجہ دے دیا۔

شاہ صاحبؒ نے اس بارے میں جو مسلک اختیار کیا، اور اس کی جو تعبیر کی وہ روح شریعت سے قریب تر، قرن اول کے عمل سے زیادہ ہم آہنگ، فطرت انسانی سے زیادہ مطابق اور عملی زندگی سے سازگار ہے۔ اس سلسلہ میں شاہ صاحبؒ چوتھی صدی ہجری سے پیشتر کے طرز عمل کا ذکر کرتے ہیں، اور بتاتے ہیں کہ لوگوں کو اپنی دینی زندگی میں' عبادات ومعاملات میں جو نئے نئے مسائل ومشکلات پیش آتے تھے، ان کو وہ کس طرح حل کرتے تھے، اور اس سلسلہ میں وہ کیا راستہ اختیار کرتے تھے''حجۃ اللہ البالغۃ'' کے باب "**حکایۃ حال الناس قبل المأۃ الرابعۃ وبعدھا**" (چوتھی صدی ہجری سے پیشتر اور اس کے بعد کے لوگوں کا مسائل دینی کی تحقیق وعمل کے بارے میں کیا طرز عمل تھا؟) میں تحریر فرماتے ہیں:-

www.abulhasanalinadwi.org

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کا طرزِ عمل

''معلوم ہونا چاہئے کہ چوتھی صدی سے قبل کے لوگ کسی ایک معین مذہب (فقہی) کی پابندی اور اس کی مکمل تقلید پر اجماع کیے ہوئے نہیں تھے، ابوطالب مکی (اپنی مشہور کتاب) ''قوت القلوب'' میں لکھتے ہیں: کہ تصنیفی انداز کی کتابیں (اور فقہی مسائل کے مجموعے) اس زمانہ کے بعد کی باتیں ہیں، لوگوں کی کہی ہوئی باتوں کا کہنا، کسی ایک مذہب پر فتویٰ دینا، اس کے قول کو دستور العمل بنالینا اور اسی کو نقل کرنا اور اسی مذہب کے اصولوں اور بنیادوں پر تفقہ کا پہلی اور دوسری صدی میں وجود نہیں تھا۔

میں اس میں اضافہ کرکے کہتا ہوں کہ دو ابتدائی صدیوں کے بعد تخریج کا کسی قدر سلسلہ شروع ہوا، لیکن یہ بات مسلّم ہے کہ چوتھی صدی کے لوگ ایک ہی مذہب کے دائرہ میں رہ کر تقلید خالص کے پابند اور اسی کے مطابق مسائل واحکام میں تفقہ اور اسی مذہب کے تحقیقات واجتہادات کی نقل وروایت کے عادی نہیں تھے، جیسا کہ تتبع سے معلوم ہوتا ہے۔

امت اور (مسلم معاشرہ میں دو طبقے تھے ایک علماء کا ایک عوام کا۔ عوام کا تو قصہ یہ ہے کہ وہ ان اجماعی مسائل میں جن میں مسلمانوں یا جمہور مجتہدین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، وہ صرف صاحب شرع (ﷺ) کی تقلید کرتے تھے، وہ وضو، غسل کرنے اور نماز وزکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ اور اسی طرح کی

www.abulhasanalinadwi.org

عبادات وفرائض، اپنے والدین یا اپنے شہر کے استادوں، عالموں سے اخذ کرتے تھے، اور اسی کے مطابق عمل کرتے تھے، اور اگر کوئی نئی بات پیش آتی تو اس کے بارے میں کسی مفتی سے بھی جس تک ان کی رسائی ہوتی تھی، کسی خاص مذہب کے تعین کے بغیر رجوع کر لیتے تھے، اور اس سے مسئلہ پوچھ لیتے تھے، جہاں تک خواص کا تعلق ہے، ان کا معاملہ یہ تھا کہ جن کا فن حدیث تھا، وہ حدیث سے اشتغال رکھتے تھے، ان کو احادیث نبویہؐ اور آثار صحابہؓ کا اتنا ذخیرہ مل جاتا تھا، کہ اس کی موجودگی میں ان کو اس مسئلہ میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، ان کے پاس کوئی نہ کوئی ایسی حدیث جو درجہ شہرت، استفاضہ یا صحت کو پہنچی ہوتی تھی، یا صحیح حدیث ہوتی تھی، موجود تھی، جس پر فقہاء اور علمائے کبار میں کسی نہ کسی نے عمل کیا ہوتا تھا، اور کسی کے پاس اس کو ترک کرنے کا کوئی معقول عذر نہیں ہوتا تھا، یا جمہور صحابہؓ اور تابعین کے پے در پے ایک دوسرے کی تائید کرنے والے اقوال ان کے پاس ہوتے تھے، جن سے اختلاف کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی تھی، اگر ان میں سے کسی کو مسئلہ میں کوئی ایسی چیز نہ ملتی جس سے اس کا قلب مطمئن ہوتا، نقول کے تعارض یا ترجیح کے اسباب کے عدم وضاحت کی وجہ سے یا کسی اور معقول سبب سے تو پھر وہ اپنے پیشرو فقہاء اور علماء کے کلام کی طرف رجوع کرتا تھا، اگر اس کے بارے میں اس کو دو قول ملتے، تو ان میں سے وہ اس کو اختیار کر لیتا جو زیادہ قوی اور مدلل ہوتا، چاہے یہ قول علمائے مدینہ

www.abulhasanalinadwi.org

کا ہوتا، یا علمائے کوفہ کا، جو تخریج (اجتہاد واستنباط) کی اہلیت رکھتے تھے، وہ ایسے مسئلہ میں جس میں ان کو کوئی صراحت نہیں ملتی تھی، تخریج واجتہاد سے کام لیتے تھے، یہ لوگ اپنے اساتذہ یا اہل گروہ کی طرف منسوب کیے جاتے تھے، مثلاً کہا جاتا تھا کہ فلاں شافعی ہے، فلاں حنفی، علمائے حدیث میں بھی جو کسی مذہب سے زیادہ اتفاق کرتا تھا، اس کی طرف منسوب ہو جاتا تھا، مثلاً نسائی اور بیہقی کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف کی جاتی تھی، اس زمانہ میں قضاء وافتاء پر اسی کا تقرر کیا جاتا تھا، جس میں اجتہاد کی صلاحیت ہوتی تھی، فقیہ بھی وہی کہلاتا جو مجتہد ہوتا، پھر ان صدیوں کے بعد دوسری طرح کے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے چپ وراست کا راستہ اختیار کیا''۔(۱)

تقلید کی جائز اور فطری شکل

شاہ صاحبؒ غایتِ انصاف اور حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے ایسے شخص کو تقلید کے بارے میں معذور سمجھتے ہیں جو کسی مذہب فقہی یا معیّن امام کا مقلّد تو ضرور ہے لیکن اس کی نیت محض صاحب شریعت کی پیروی اور اتباع نبویؐ ہے، لیکن وہ اپنے اندر اس کی اہلیت نہیں پاتا کہ وہ حکم شرعی اور جو چیز کتاب وسنت سے ثابت ہے اس تک براہ راست پہنچ جائے، اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں، مثلاً وہ عامی شخص ہے، یا اس کے پاس براہ راست تحقیق کرنے کیلئے وقت وفرصت نہیں، یا ایسے وسائل (علم وتحقیق) حاصل نہیں جن سے وہ نصوص کا خود پتہ چلالے، یا ان سے مسئلہ استنباط کرلے، شاہ صاحبؒ علامہ ابن حزم کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہ

(۱) حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۲-۱۵۳

www.abulhasanalinadwi.org

تقلید حرام ہے اور کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی کے قول کو بلا دلیل قبول کرلے تحریر فرماتے ہیں:-

''ابن حزم کے قول کا مصداق وہ شخص نہیں جو رسول اللہ ﷺ کے قول کے علاوہ کسی کو اپنے لئے واجب الاطاعت نہیں سمجھتا، وہ حلال اسی کو گردانتا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے حلال کیا اور حرام اسی کو مانتا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام کیا، لیکن چونکہ اس کو براہ راست آں حضرت ﷺ (کے اقوال واحوال) کا علم حاصل نہیں' اور وہ آپ کے مختلف اقوال میں تطبیق دینے کی صلاحیت اور آپ کے کلام سے مسائل استنباط کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، وہ کسی خدا ترس عالم کا دامن پکڑ لیتا ہے، یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ صحیح بات کہتا ہے، اور اگر مسئلہ بیان کرتا ہے تو اس میں وہ محض سنت نبویؐ کا پیرو اور ترجمان ہوتا ہے، جیسے ہی اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ خیال صحیح نہیں تھا، اسی وقت وہ بغیر کسی بحث واصرار کے اس کا دامن چھوڑ دیتا ہے، بھلا ایسے آدمی کو کوئی کیسے مطعون کرے گا، اور اس کو سنت وشریعت کا مخالف قرار دے گا؟۔

سب کو معلوم ہے کہ استفتاء اور افتاء کا سلسلہ عہد نبویؐ سے لے کر برابر چلتا رہا ہے، اور ان دونوں میں کیا فرق ہے کہ ایک آدمی ہمیشہ ایک سے فتویٰ لیتا ہے، یا کبھی ایک سے فتویٰ لیتا ہے کبھی دوسرے سے، ایسی حالت میں کہ اس کا ذہن صاف ہے، اس کی نیت سلیم ہے، اور وہ صرف اتباع شریعت چاہتا ہے، یہ

www.abulhasanalinadwi.org

بات کیسے جائز نہیں؟ جبکہ کسی فقیہ کے بارے میں ہمارا یہ ایمان نہیں ہے کہ اللہ نے اس پر آسمان سے فقہ اتاری، اور ہم پر اس کی اطاعت فرض کی ہے، اور یہ کہ وہ معصوم ہے تو اگر ہم نے ان فقہاء اور ائمہ میں سے کسی کی اقتداء کی تو محض اس بناء پر کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا عالم ہے، اس کا قول (فتویٰ) دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے خالی نہیں، یا وہ کتاب وسنت کے صریح حکم پر مبنی ہے، یا وہ استنباط کے اصولوں میں سے کسی اصول کے مطابق اس سے مستنبط کیا ہوا ہے، یا اس نے قرائن سے یہ سمجھ لیا ہے کہ حکم فلاں علت کے ساتھ وابستہ ہے (اور وہ علت یہاں پائی جاتی ہے) اور اس کا قلب اس بات پر مطمئن ہوگیا ہے، اس بناء پر اس نے غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کیا، گویا وہ زبان حال سے کہتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ جہاں یہ علت پائی جائے، وہاں حکم یہ ہوگا، اور یہ قیاسی مسئلہ اس عموم اور کلّیہ میں شامل ہے، اس طرح اس حکم کی نسبت بھی آں حضرت ﷺ کی طرف کی جاسکتی ہے، لیکن ظنی طریقہ پر، اگر صورت حال یہ نہ ہوتی تو کوئی صاحب ایمان کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا، اگر ہمیں رسول معصوم ﷺ جن کی طاعت کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کیا ہے کوئی حدیث قابلِ وثوق سند سے پہنچے جو اس مجتہد یا امام کے فتوے اور قول کے خلاف ہو، اور ہم اس حدیث کو چھوڑ دیں اور اس ظنی طریقہ کی پیروی کریں، تو ہم سے بڑھ کر

www.abulhasanalinadwi.org

ناروا طریقہ اختیار کرنے والا کون ہوگا، اور کل ہمارا خدا کے سامنے کیا عذر ہوگا؟''(۱)

مذاہب اربعہ کی خصوصیت

اس منصفانہ اور محققانہ تجزیہ کے بعد شاہ صاحبؒ ان چار فقہی مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے بارے میں جن پر عالم اسلام میں عام طور پر عمل کیا جارہا ہے، اپنے رسالہ "عقد الجید فی أحکام الاجتهاد والتقلید" میں جو بہ قامت کہتر بقیمت بہتر' کا مصداق ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

''یاد رکھو کہ ان مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے، اور ان چاروں کو بالکل نظر انداز کردینے میں بڑا مفسدہ ہے، اس کے کئی وجوہ واسباب ہیں، ایک یہ کہ امت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ شریعت کے معلوم کرنے کے بارے میں وہ سلف متقدمین پر اعتماد کرے، تابعین نے اس بارے میں صحابہؓ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر وعلی ہذا القیاس ہر دور کے علماء نے اپنے پیشروؤں پر اعتماد کیا، عقل سے بھی اس کا مستحسن ہونا ثابت ہوتا ہے، اس لیے کہ شریعت کے علم کا ذریعہ نقل اور استنباط ہے، اور نقل جب ہی ممکن ہے، جب ہر طبقہ اپنے اس پہلے طبقہ سے جو اس سے متصل ہے اخذ کرے، استنباط میں بھی یہ ضروری ہے کہ متقدین کے مذاہب معلوم ہوں تاکہ ان کے اقوال کے دائرہ سے خارج ہوکر خرق اجماع نہ ہوجائے، اس لیے ان اقوال کے جاننے اور سابقین سے مدد لینے کی ضرورت ہے،

(۱) حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۵-۱۵۶

www.abulhasanalinadwi.org

دوسرے علوم وفنون اور ہنروں اور پیشوں کا بھی یہی حال ہے، صَرف، نحو، طب، شاعری، لوہاری، نجاری، رنگ ریزی، سب اسی وقت حاصل ہوتے ہیں، جب ان کے استادوں اور ان کے ساتھ اشتغال رکھنے والوں کی صحبت اختیار کی جائے، اس کے بغیر مہارت حاصل ہوجائے ایسا بہت کم پیش آتا ہے، اگرچہ عقلاً ایسا ممکن ہے لیکن واقعۃً ہوتا نہیں۔

جب یہ بات متعین ہوگئی کہ سلف کے اقوال وتحقیقات پر اعتماد ضروری ہے، تو پھر یہ ضروری ہوگیا کہ جن اقوال پر اعتماد کیا جارہا ہے، وہ سند صحیح سے مروی، مشہور کتابوں میں مدوّن ہوں، اور ان پر ایسا کام ہوا ہو کہ اس میں راجح اور مرجوح اور عام وخاص کا امتیاز آسان ہو، جہاں اطلاق پایا جاتا ہے، وہاں یہ پتہ چل سکے کہ اس میں مقید کیا ہے؟ مختلف اقوام میں تطبیق دی جاچکی ہو، اور احکام کے علل پر روشنی ڈالی جاچکی ہو، نہیں تو ایسے مذاہب واجتہادات پر اعتماد صحیح نہیں ہوگا، ان پچھلے ادوار میں کوئی مذہب (فقہی) بھی ایسا نہیں ہے، جس میں یہ صفات پائے جاتے ہوں، اور یہ شرطیں پوری ہوتی ہوں سوائے ان مذاہب اربعہ کے'' (۱)

اس طرح شاہ صاحب نے اجتہاد وتقلید کے درمیان وہ نقطۂ اعتدال اختیار کیا ہے، جو مقاصد شریعت، فطرت انسانی اور واقعات کی دنیا سے پورے طور پر مطابق ہے، انہوں نے تقلید کے ساتھ یہ شرط لگادی ہے کہ اس بارے میں ذہن صاف اور نیت درست ہو کہ مقصودِ صاحبِ شریعت ﷺ کا اتباع اور کتاب وسنت کی پیروی

(۱) عقد الجید ص ۳۶-۳۸

www.abulhasanalinadwi.org

ہے اور یہ اس اعتماد پر ہے کہ ہم جس کو واسطہ بنا رہے ہیں، وہ کتاب وسنت کا عالم اور شریعت اسلامی کا محض نمائندہ اور ترجمان ہے، نیز یہ کہ ذہن اس کیلئے تیار رہے، (خواہ اس کا موقع مدتوں میں آئے) کہ جب اس بات کا یقین پیدا ہو جائے گا کہ صورت حال اس سے مختلف ہے، اور سنت سے ثابت حکم دوسرا ہے تو ایک صاحب ایمان کو دوسری شکل کے اختیار کرنے میں کبھی تامل نہ ہوگا۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً۔ (سورۂ نساء-۶۵)

(ترجمہ) تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کردو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔

ہر زمانہ میں اجتہاد کی ضرورت

مذاہب اربعہ کی خصوصیات اور فقہائے محدثین کی خدمات اور ان کی عظمت کا پورا اعتراف کرتے ہوئے اور اس فقہی وحدیثی ذخیرہ کو بیش قیمت اور قابل استفادہ قرار دیتے ہوئے اور اس سے بے نیازی واستغناء کو مضر ومحرومی کا سبب مانتے ہوئے شاہ صاحب اس کے قائل ہیں کہ اجتہاد (اپنی شرطوں اور ضروری احتیاطوں کے ساتھ) ہر دور کی ضرورت، حیات انسانی اور تمدن ومعاشرت کی تغیر پذیری، اور نمو وارتقا کی صلاحیت اور انسانی ضروریات، حوادث وتغیرات کے تسلسل کا فطری تقاضا اور شریعت اسلامی کی وسعت، اس کے من جانب اللہ ہونے اور قیامت تک انسانوں کی رہنمائی اور معاشرہ کے جائز تقاضوں کی تکمیل کی

www.abulhasanalinadwi.org

صلاحیت رکھنے کا ثبوت ہے، جس کا اظہار اور ثبوت ہر دور میں ضروری اور حاملین شریعت کا فرض ہے۔

مقدمہ مصفّٰی میں لکھتے ہیں:-

''اجتہاد ہر زمانہ میں فرض بالکفایہ ہے، یہاں اجتہاد سے مراد اجتہاد مستقل نہیں، جیسا کہ امام شافعیؒ کا اجتہاد تھا، جو جرح وتعدیل، زبان دانی وغیرہ میں کسی دوسرے کے محتاج نہ تھے، اور اسی طرح اپنی مجتہدانہ درایت میں (اپنے پورے اقسام کے ساتھ) وہ دوسرے کے تابع نہ تھے، مقصود اجتہاد منتسب ہے، اور وہ نام ہے احکام شرعی کو ان کے تفصیلی ادلّہ کے ذریعہ جاننے کا، اور مجتہدین کے طریقہ پر تفریع مسائل اور ترتیب احکام کا، خواہ وہ کسی صاحبِ مذہب کی رہنمائی سے ہو۔

اور ہم جو یہ کہتے کہ اجتہاد اس زمانہ میں فرض ہے (اور یہ محققین اہل علم کا اجماعی مسئلہ ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ مسائل کثیر الوقوع ہیں جن کا حصر ممکن نہیں، اور ان کے بارے میں اللہ کے حکم کا جاننا واجب ہے، اور جو تحریر وتدوین میں آچکا ہے وہ ناکافی ہے، اور ان کے بارے میں اختلافات بہت ہیں، جن کا حل کرنا دلائل کی طرف رجوع کیے بغیر ممکن نہیں، ائمہ مجتہدین سے جو مسائل کی روایات منقول ہیں، ان میں اکثر میں انقطاع ہے کہ قلب ان پر اطمینا کے ساتھ اعتماد نہیں کرسکتا، اس لیے ان کو قواعد اجتہاد پر پیش کیے اور تحقیق کیے بغیر معاملہ بنتا نہیں''(۱)

---

(۱) مقدمہ مصفّٰی (فارسی) ص۱۲ مطبع فاروقی دہلی۔

www.abulhasanalinadwi.org

جدید مسائل فوری حل کے طالب ہیں

[جدید مسائل کے سلسلہ میں مولاناؒ کا جو نقطۂ نظر ہے وہ مولاناؒ کی تحریروں کی روشنی میں پیش کیا جارہا ہے]

عالم اسلام میں بالعموم اور برصغیر ہندو پاک میں بالخصوص جو مسائل کچھ عرصہ سے عوام وخواص کا مرکز توجہ بنے ہوئے ہیں اور جمہور مسلمین، ان کے بارے میں علماء کا متفقہ فیصلہ اور شریعت کا حکم (جس پر وہ آنکھ بند کر کے عمل کرسکیں) معلوم کرنے کیلئے بیتاب ہیں، ان میں رؤیت ہلال کا مسئلہ اور جدید ایجادات ووسائل، ریڈیو، تار اور ٹیلی فون کے ذریعہ اس کا ثبوت خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مسائل سب اہم، حل طلب اور قابل توجہ ہیں۔ لیکن اس مسئلہ سے مسلمانوں کا صرف شرعی اور فقہی تعلق نہیں، جذباتی اور فطری تعلق بھی ہے اور مسلمانوں کا کوئی طبقہ (حتی کہ وہ بھی جو احکامِ شرعی اور فرائض مذہبی کا زیادہ پابند نہیں ہے) اس مسئلہ کے بارے میں دلچسپی سے خالی نہیں ہے، اس سے ایک طرف ایسی عبادت کا تعلق ہے جو عالمگیر پیمانہ پر ہر سال، مہینہ بھر ادا کی جاتی ہے، دوسری طرف دو ایسے خوشی کے دن کا تعلق ہے جن سے بڑھ کر ملّی تقریبات اور جشنِ عام مسلمانوں میں نہیں پائے جاتے اور جن میں شرکت کرنا ہر مسلمان (خواہ وہ کتنا ہی بے عمل ہو) اپنا فرض اور حق سمجھتا ہے، پھر یہ مسئلہ یوں تو ہر مہینہ سامنے آتا ہے لیکن سال میں تین مرتبہ (۱) سب کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے اس لیے اس کے بارے میں علماء کا اختلاف

(۱) رمضان المبارک کے موقع پر اور شوال اور ذی الحجہ کے چاند کے موقع پر

www.abulhasanalinadwi.org

وانتشار اور کسی متفقہ فیصلہ اور مستقل طریق کار کا نہ ہونا عوام ہی نہیں خواص کو بھی بہت محسوس ہوتا ہے اور اکثر اوقات وہ علماء کو اپنے اعتراضات اور طنز وتعریض کا نشانہ بنالیتے ہیں۔ اُن کو بے عملی، غفلت و بے توجہی اور اپنے فرائض سے پہلوتہی کا طعنہ دینے لگتے ہیں۔ اور بعض اوقات یہ سمجھنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ ان میں کسی نقطہ پر اتفاق کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، بعض غیر محتاط، علماء سے آگے بڑھ کر نفسِ دین وشریعت پر زبان طعن دراز کرنے لگتے ہیں اور اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ اس میں جدید حالات، زمانہ کی تبدیلیوں اور نئے وسائل وایجادات کی موجودگی میں رہنمائی اور زمانہ کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں، یہ بات اور بھی خطرناک اور دینی نقطۂ نظر سے سنگین ہے۔ اس مسئلہ میں شریعتِ اسلامی کی صحیح ترجمانی اور فقہ کے معتدل نقطۂ نظر پیش کرنے میں تاخیر کرنے سے اور حقیقت پسندی سے کام نہ لینے سے ایک ایسا ذہنی انتشار پیدا ہورہا ہے اور اس سے اُن عظیم مفاسد کا دروازہ کھل رہا ہے جس کی طرف توجہ کرنا علماء کا اولین فرض اور دین کی عظیم ترین خدمت ہے۔ مذاہب وملل کی تاریخ بتاتی ہے کہ ایسے موقع پر جب کبھی حاملینِ شریعت اور ماہرین فن نے سستی وکاہلی اور لیت ولعل سے کام لیا ہے تو تشکک والحاد کا اور دینی واخلاقی فوضویت (انارکی) کا دروازہ کھل گیا ہے اور لوگوں نے علماء کے فیصلہ کا انتظار کیے بغیر اپنا کام شروع کردیا ہے، پھر تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ پھر دوبارہ ان کو جادۂ شریعت پر لانا ممکن نہیں رہا ہے۔

نئے مسائل کے حل کیلئے علمِ راسخ، نظرِ عمیق اور احتیاط کی ضرورت

لیکن کوئی دین، کوئی امت، کوئی تمدن اور کوئی نظام زندگی محض ماضی کی کاوشوں اور کمالات اور تاریخی وعلمی سرمایہ پر زندہ نہیں رہ سکتا، اور نہ زمانہ کے نئے نئے

www.abulhasanalinadwi.org

مسائل ومشکلات سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے، اس کیلئے ہر عہد اور ہر قطعۂ زمیں پر اگر اجتہادِ مطلق نہیں تو کم سے کم قیاس واستنباط، فہم عمیق، کتاب وسنت پر گہری نظر، اصول فقہ وآثارِ شریعت سے گہری واقفیت اور ان سے فائدہ اٹھانے اور روشنی حاصل کرنے کی صلاحیت کی ضرورت ہے، اور علمائے پیشیں نے ہر دور اور ہر ملک وماحول میں اس سے کام لیا ہے، بے شک حملۂ تتار کے بعد بعض مصالح کی بنا پر اور بعض اندیشوں کے پیش نظر ''اجتہاد'' میں احتیاط برتی گئی، کہ اس سے غیر اسلامی یا غیر دینی اقتدار کی تائید اور بعض مفاسد کا اندیشہ تھا، لیکن جلد وقت کے تقاضوں، اور بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر نئے پیش آمدہ مسائل کے بارے میں علمائے وقت نے رہنمائی کا فرض انجام دیا، جس کا نمونہ علامہ شامی کی 'ردالمحتار'' فتاویٰ تاتارخانیہ، فتاویٰ عالمگیری کے مجموعے ہیں۔

جہاں تک برصغیر ہندوستان کا تعلق ہے، جہاں فقہ حنفی کی سیادت ورواج تھا، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی، مولانا عبدالحئ فرنگی محلی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مفتی محمد شفیع صاحب صفتی اعظم پاکستان اور بعض چیدہ وبرگزیدہ شخصیتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے مسائل حاضرہ اور وقت کی ضرورتوں پر فقہ وشریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائی اور ان کے فتاویٰ کا وسیع ذخیرہ موجود ہے۔

لیکن تمدن، صنعت وتجارت، نفع وانتفاع، درآمد وبرآمد، یہاں تک کہ طبی ترقیات وتجربات کے رواں دواں قافلے کو روکا نہیں جاسکتا، پھر مغربی تمدن اور مغربی اقتدار، اقتصادی منافع کی روز افزوں اہمیت نے نئے نئے مسائل پیدا کردیے، جو اس سے پہلے علمائے پیشیں کے خواب وخیال میں نہ تھے، اس لیے ضرورت تھی کہ ان مسائل وضروریات اور حقائق کو سامنے رکھ کر شرعی اصولوں، کتاب وسنت کی رہنمائی اور فقہ کے ذخیرہ سے (جس میں عرف یا مصالح مرسلہ کو بھی خاص مقام دیا گیا ہے) نئی نسل کی رہنمائی کا فرض انجام دیا جائے۔

www.abulhasanalinadwi.org

لیکن اس نازک اور اہم کام کیلئے جس میں ذرا سی غلطی یا بیجا رعایت وآزادی سے بڑے دینی نقصان پہنچنے کا ہر وقت اندیشہ رہتا ہے، اور جواز واباحت کے حدود سے نکل کر معصیت اور حرمت تک کے ارتکاب کا خطرہ ہے، دینِ قوی، علمِ راسخ، نظرِ عمیق اور احتیاطِ بلیغ کی ضرورت تھی، نیز اس کی بھی کہ علوم شرع اور فقہ واصول فقہ سے سطحی اور ذیلی واقفیت نہ ہو، اور ان علوم میں مفتی اور مجیب اور محقق کا درجہ 'متطفل' (طفیلی) کا نہ ہو، بلکہ اس نے باقاعدہ ماہرین فن سے اس کی تعلیم پائی ہو، اور تعلیم وافتاء کے ماحول میں معتد بہ وقت گذارا ہو، پھر وہ ''چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی'' کی تقلید کے عیب سے پاک ہو وہ کتاب وسنت، فقہ واصول فقہ کی روشنی میں اور ان کی دی ہوئی گنجائشوں کے مطابق صحیح وبے لاگ فیصلہ کرے اور اس کو امکانی حد تک عالمانہ ومحققانہ انداز میں اس طرح پیش کرے کہ اس سے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ اور حقیقت پسند افراد کی بھی نہ صرف تشفی ہو بلکہ وہ شریعت کی وسعت وابدیت کا قائل ہو جائے۔

مسلکی نزاعات سے اجتناب وقت کی اہم ضرورت

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ہر دور میں انسان نے غلطی، لغزش اور گمراہی وکج روی سے بچنے کیلئے ایسے اصحابِ اختصاص اور ماہرینِ فن سے رجوع کرنا ضروری سمجھا ہے جو اپنے فن اور موضوع میں خصوصی مہارت اور اس میں تفوق وامتیاز اور مجتہدانہ صلاحیتوں کے حامل ہوں، علوم وفنون وبحث وتحقیق کی قدیم وجدید تاریخ اس طرح کی بکثرت مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

اس سے بھی زیادہ روشن، تابناک اور بدیہی حقیقت یہ ہے کہ دین پر عمل کرنے، نت نئے پیش آنے والے مسائل کے بارے میں شریعت کے احکام

www.abulhasanalinadwi.org

معلوم کرنے کیلئے ایسے اصحابِ اختصاص اور ماہرینِ فن سے رجوع کیا جائے جو اپنے فن پر نہ صرف کامل دست گاہ رکھتے ہوں بلکہ ان کی تحقیقات ومعلومات میں گہرائی کے ساتھ گیرائی اور وسعت وتبحر علمی بھی ہو، اس کے ساتھ وہ لوگوں کو دینی مسائل واحکام بتانے میں اجر وثواب کے حریص اور ایمان واحتساب کی روح سے سرشار ہوں، دیانت کے ساتھ اپنے فرائض اور علمی امانت کو دوسروں تک پہنچانے میں انہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہی کا غیر معمولی شعور اور حساب وکتاب کا خوف ہو، اسی بنا پر اسلامی تاریخ کے اولین دور، خلفائے راشدین، صحابہ کرام اور تابعین عظام کے عہد میں فقہی احکام ومسائل معلوم کرنے کیلئے ایسے حضرات سے رجوع کرنا عام بات تھی جو علوم دینیہ میں رسوخ وتبحر رکھتے تھے، اس کے ساتھ انفرادی واجتماعی مسائل ومشکلات کے حل کرنے میں، شریعت کے احکام بتانے اور قرآن وسنت کے مطابق مسلمانوں کی رہنمائی کو وہ حضرات باعث اجر وثواب اور تقرب الٰہی کا ذریعہ تصور کرتے اور اس امانت کی ادائیگی کو اپنے اوپر ایسی ذمہ داری سمجھتے تھے جس کے بارے میں قیامت کے دن وہ جواب دہ ہوں گے۔

اسلامی تاریخ کے اولین دور میں کسی خاص اور متعین فقہی مکتبِ فکر یا کسی مخصوص مسلک پر عمل پیرا فرد سے علمی وفقہی معاملات میں رجوع کرنا ضروری نہیں تھا اور نہ اس کا التزام اور کوئی پابندی تھی، بلکہ سائل کسی شخص سے بھی دینی وفقہی احکام ومسائل معلوم کر لیتا تھا، اس لیے کہ اس دور کی یہی خصوصیت تھی پھر ایمان واحتساب کی روح عام طور پر موجود تھی اور صحیح بات معلوم کرنے اور حق تک رسائی کا جذبہ اس عہد کے تمام لوگوں میں پایا جاتا تھا، دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ علمی ماحول عام تھا اور ہر جگہ بحث وتحقیق کے حلقہ قائم تھے۔

پھر وہ دور آیا جب حالات کے تقاضوں کی رعایت اور محنت ووقت بچانے کی

www.abulhasanalinadwi.org

خاطر حق وصواب کی جستجو اور تلاش کیلئے لوگ ایسے فقہی مکتبِ فکر کی طرف رجوع کرنے لگے جو اس کی بہترین نمائندگی وترجمانی کرے اور جس کے علم وتحقیق، امانت ودیانت اور تقویٰ پر اعتماد واعتبار کیا جاسکے، چنانچہ کسی خاص فقہی مکتب فکر کی طرف رجوع کرنا ایک عام اور قابلِ تقلید طریقہ بن گیا، جو پسندیدہ بھی تھا اور سہل الحصول بھی، اس علمی رجوع میں نہ تو کوئی برائی تھی اور نہ رجوع کرنے والے کو شرک وبدعت کا مرتکب اور اجماع امت کا مخالف قرار دیا گیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے عالمِ اسلام میں چار فقہی مکاتبِ فکر میں سے کسی ایک کی طرف رجوع کرنا عام بات ہوگئی، اس رجوع نے نہ تو لوگوں کے اندر غلط ردّعمل پیدا کیا اور نہ اس طرز عمل کو کسی بدعت یا گمراہی کا نام دیا گیا، اس لیے کہ اصحابِ اختصاص سے شرعی معاملات میں رجوع اور ان کے بتائے ہوئے احکام پر عمل درآمد میں بنیادی شرط یہ تھی کہ وہ مسائل وتحقیقات کتاب وسنت کے مطابق ہوں کہ یہی دونوں سرچشمۂ ہدایت ہیں۔(۱)

دینی وشرعی احکام معلوم کرنے میں کسی خاص فقہی مکتبِ فکر کی طرف رجوع اور اس کے ائمۂ مجتہدین کے اجتہاد اور فقہی بصیرت پر اعتماد واعتبار کرنے کی (جو کتاب وسنت سے مسائل کا استنباط کرتے اور انہیں دونوں سرچشموں سے کسب فیض کرتے ہیں) ضرورت تو اس دور میں اور بھی بڑھ گئی ہے کہ یہ زمانہ خاص طور سے فکری انارکی، ذہنی انتشار، مادی کشش، فتنوں اور جدید چیلنجوں کا ہے، ہر قسم کے اخلاقی قید وبند سے گلوخلاصی وآزادی حاصل کرنے، نفس کی خواہشات وترغیبات اور معاشرہ وزمانہ کے ساتھ دینے کا دور ہے، اس کا پورا مشاہدہ ان ملکوں اور معاشروں میں ہو رہا

(۱) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب ''عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید''

www.abulhasanalinadwi.org

ہے، جہاں شرعی حدود و قیود اور دینی و اخلاقی قدروں سے بے قید آزادی کی زندگی پائی جاتی ہے۔

رنج و افسوس کی بات یہ ہے کہ ایسے نازک، پرخطر چیلنجوں اور آزمائشوں کے دور میں برّصغیر ہندوستان جیسے ملک میں ائمہ اربعہ کے فقہی مکاتب فکر کے خلاف زبردست یورش کا آغاز کر دیا گیا ہے، اس میں خاص طور سے احناف کو نشانہ بنایا جا رہا ہے جن کی اس ملک میں اکثریت ہے، اس طرح کی یورش کا نہ تو یہ وقت ہے اور نہ ہندوستان اس کی مناسب جگہ ہے، اس طرح کی سرگرمیوں سے بجز اختلافات میں اضافہ اور ذہنی انتشار کے کچھ حاصل نہیں، جب کہ ہندوستانی مسلمانوں کو اس وقت شدید ضرورت اتحاد و اتفاق کی ہے، اس لیے کہ انہیں بت پرستانہ، مشرکانہ اور لادینی طاقتوں اور مغرب کی ملحدانہ تہذیب و ثقافت کے چیلنج کا سامنا ہے۔

احناف کے خلاف جدوجہد اور جنگ شروع کرنے کے بجائے اس کی شدید ضرورت ہے کہ مشرکانہ عقائد و اعمال کے خلاف پوری توجہ اور پوری طاقت لگا دی جائے، کہ ہم ہندوستانی مسلمان جس ماحول میں رہتے ہیں وہ مرکز اسلام سے دور ہونے کی بنا پر شرک و بت پرستی کا قدیم زمانہ سے مرکز رہا ہے، اس ملک کی زبان و ثقافت بھی اسلامی زبان و ثقافت سے قطعی مختلف ہے، ہندوستانی مسلمان اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کے مشرکانہ عقائد و اعمال، بدعات و خرافات، جاہلی رسم و رواج اور شادی و غمی اور 'پرسنل لاء' میں ان سے متاثر ہیں، اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت پر ساری توجہ اور توانائی صرف کر دی جائے کہ مسلمانوں کے اس ملک میں بقا و تحفظ کا سارا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ کس حد تک اپنے عقائد، تہذیب، ثقافت، دینی غیرت و حمیت اور اسلامی تشخص و امتیاز کو باقی

www.abulhasanalinadwi.org

رکھ سکتے ہیں، یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ملک میں تہذیبی وثقافتی ارتداد کے آثار وقرائن ظاہر ہو چکے ہیں (ہم دینی ارتداد کا لفظ استعمال کرنے سے گریز کررہے ہیں کہ یہ لفظ دل ودماغ اور سماعت پر گراں ہے اور اس کے اندر بڑی شناعت ہے)۔

اس ملک کیلئے سب سے زیادہ بہتر منہج اور اصول حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا ہے جس کے آثار وتابندہ نقوش اب بھی باقی ہیں، ان کے باکمال فرزندوں نے جن میں سے ہر ایک نابغۂ روزگار اور مجتہدانہ فقہی وعلمی بصیرت کا حامل تھا، ان کا مشن جاری رکھا، پھر اس علمی خانوادہ کے تربیت یافتہ اور خوشہ چیں شاگرد رشید امام المسلمین سید احمد بن عرفان شہیدؒ (ش ۱۲۴۶ھ) جیسے داعی ومجاہد ہیں، جن کے دست مبارک پر ہر قسم کے شرک وبدعات، خرافات اور جاہلی عادات واطوار سے توبہ وبیعت کرنے والوں کی تعداد تیس لاکھ ہے اس توبہ وبیعت کے بعد ان لوگوں کے اندر ہر قسم کے شرک وبدعت اور جاہلانہ رسوم ورواج سے سخت نفرت اور کراہیت پیدا ہوگئی، اس کے ساتھ دینی غیرت وحمیت میں بھی نمایاں اور ممتاز تھے، جن غیر مسلموں نے سید صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ان کی تعداد چالیس ہزار سے کچھ زیادہ ہی بتائی جاتی ہے، یہی حال ان کے جانشین اور قوت بازو، مجاہد کبیر مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ (ش ۱۲۴۶ھ) صاحبِ ''تقویۃ الایمان'' کا تھا، جن کی کتاب توحیدِ خالص کے بیان اور شرک وبدعات کی تردید میں سب طاقتور اور موثر کتاب شمار کی جاتی ہے اور جسے پڑھ کر ایک بڑے سعودی عالم نے کہا تھا کہ یہ کتاب توحید کی 'منجنیق' ہے''۔(۱)

---

(۱) وہ مشین جو پتھر پھینکتی ہے اور سنگسار کرتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اسلامی قوانین اور معاصر قوانین کے درمیان موازنہ کی ضرورت

اقوام وملل اور افکار واقدار دونوں کی تاریخ کا مسلسل تجربہ ہے کہ جب کوئی غلط یا صحیح سوال سامنے آجائے یا ذہنوں میں کوئی خلش پیدا ہوجائے یا کردی جائے یا کسی حقیقت کو (خواہ وہ کتنی ہی بدیہی ہو) چیلنج کیا جائے تو اس کو محض جذبات کے اظہار، درد وکرب کی بڑی سے بڑی مقدار خطابت کی شعلہ بیانیوں اور احتجاج کی بلند آہنگیوں سے نہیں روکا جاسکتا اس کیلئے علمی مورچے کی ضرورت ہوتی ہے، جہاں ترکی بہ ترکی نہیں علمی دلائل کی سنجیدگی اور فکر ونظر کے وقار کے ساتھ جواب دیا جائے، اور دماغوں کی تشفی اور طالب حق ذہنوں کے اطمینان وتسلی کا انتظام کیا جائے، اگر دماغ کی سلوٹوں میں واقعی کوئی پھانس رہ گئی ہو یا کوئی گرہ پڑ گئی ہو تو اس کو زور دستی نہیں (جس سے کام اکثر بگڑ جاتا ہے) بلکہ سبک دستی اور کسی قدر چابک دستی کے ساتھ نکالنے کی کوشش کی جائے، اس کے لئے جوش کے بجائے ہوش خطابت وانشاء پردازی کے بجائے دلسوزی، دیدہ ریزی اور جگر کاوی کی ضرورت ہے، اس کیلئے شریعتِ اسلامی' کتاب وسنت تفسیر وحدیث' فقہ واصول سے مستند وگہری واقفیت کے ساتھ دوسری قوموں اور فرقوں کے عائلی قوانین پر بھی اجمالی نظر کی ضرورت ہے' اس کے بغیر اسلام کے عائلی قوانین کا تفوق وامتیاز واضح اور ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

اسلامی قانون کی برتری اور معاصر قوانین پر اس کا تصوف اور امتیاز ثابت کرنے اور اسلام کے اصول وقانون پر عالمانہ اور مبصرانہ نگاہ ڈالنے کا کام اتنا عظیم، نازک، انقلاب انگیز اور عہد آفریں ہے کہ علامہ اقبال نے جو دوسرے جدید علوم کے ساتھ قانون کے نہ صرف طالب علم رہ چکے تھے، بلکہ ایک ماہر قانون داں بھی تھے اور بیرسٹر بھی، اس کو عصر حاضر کا ایک تجدیدی کارنامہ قرار دیا ہے، اس لیے

www.abulhasanalinadwi.org

انہیں کے الفاظ میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ

گماں مبر کہ بپایاں رسید کارِ مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاکست

علامہ موصوف اپنے ایک اہم مکتوب میں لکھتے ہیں:-

''میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص زمانۂ حال کے جورس پروڈنس (Juris Prudence) (اصول قانون) پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکامِ قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا وہی اسلام کا مجدّد ہوگا، اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہ شخص ہوگا، قریباً تمام ممالک میں اس وقت مسلمان یا تو اپنی آزادی کیلئے لڑ رہے ہیں یا قوانین اسلامیہ پر غور کر رہے ہیں، غرض یہ وقت عملی کام کا ہے، کیوں کہ میری رائے ناقص میں مذہب اسلام اس وقت گویا زمانہ کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے، اور شاید تاریخِ اسلام میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔(۱)

رؤیت ہلال سے متعلق ابھرتے سوالات اور ان کے حل کا طریقہ

رؤیت ہلال اور اس کے ثبوت کے بارے میں کئی نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں جو سالہا سال سے موضوعِ بحث بنے ہوئے ہیں، ایک تو نئے وسائلِ علم واطلاع، ریڈیو، تار، ٹیلی فون، ڈاک کے ذریعہ رویت کا علم اور اعلان، دوسرے اختلافِ مطالع کی بحث جو پہلے بھی ایک مختلف فیہ مسئلہ تھا اور اب فلکیات وموسمیات کی نئی تحقیقات اور نئے آلات ووسائل کی موجودگی میں از سرِ نو قابل غور بن گیا ہے۔ تیسرے ساری دنیا میں ایک دن عید کرنے کا رجحان جو بہت سے اسلامی ملکوں اور

(۱) اقبال نامہ حصہ اول ص ۵۰-۵۱

www.abulhasanalinadwi.org

مسلم تنظیموں کے نزدیک وحدتِ اسلامی کا مظہر اور اتحاد مسلمین کا ثبوت ہے اور جس کی دعوت بڑی بلند آہنگی سے بعض بین الملی ادارے اور بعض مسلم حکومتیں کچھ عرصہ سے دے رہی ہیں اور جس کو عربی کے رسائل واخبارات ''توحید اعیاد'' کے لفظ سے یاد کرتے ہیں، یہ سارے پہلو عرصہ سے اس کے مستحق تھے کہ ان کیلئے کتاب وسنت کے نصوص واشارات، استنباط واستخراج مسائل اور قیاس کے ان حکیمانہ اور لچکدار اصول (جن کی نظیر کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی اور جس کو عام طور پر اصولِ فقہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) اور مذاہب اربعہ کے وسیع فقہی ذخیرہ کا جائزہ لیا جائے اور اگر ان ایجادات ووسائل کی ایسی نظیریں ملتی ہیں جن پر ان کو قیاس کیا جاسکے تو ان سے فائدہ اٹھایا جائے، یا پھر استحسان ومصالحِ مرسلہ کے اصول سے استفادہ کیا جائے جن سے فقہاء نے ہر دور میں کام لیا ہے یا پھر کسی اجتماعی اجتہاد (نہ کہ انفرادی اجتہاد) سے کتاب وسنت کے عام اصول وکلیات کے ماتحت کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کی جائے، اور بلا تاخیر وتساہل ان نتائج کو مسلمانوں کے سامنے لایا جائے، تاکہ وہ اس انتشار سے محفوظ رہیں جو تقریباً ثلث صدی سے بہت واضح طریقہ پر اس تحتی براعظم میں پایا جاتا ہے۔

رؤیت ہلال کے مسئلہ کے حل کیلئے بعض کاوشیں

مسلمانوں کے بعض اداروں اور جماعتوں نے اس سلسلہ میں قدم اٹھایا اور کوشش کا آغاز کیا، ان میں سب سے زیادہ نمایاں حصہ جمعیۃ علماء ہند کا ہے، اسی کی دعوت واہتمام پر ۱۹۵۱ء میں مرادآباد میں ایک اجتماع منعقد ہوا جس میں تمام مراکزِ علمی ودینی کے نمائندہ علماء کے علاوہ دو متفق علیہ بزرگ مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ بھی شریک ہوئے لیکن اس اجتماع میں

www.abulhasanalinadwi.org

صرف ریڈیو کی خبر کے بارے میں بحث وتمحیص کی گئی اور ایک متفقہ فیصلہ کا اعلان کیا گیا، لیکن ایسے علمی مسائل کیلئے ایک وسیع اور عمومی اجتماع کے بجائے ایک محدود ومخصوص مجلس مذاکرہ زیادہ موزوں ہوتی ہے، اس لیے اس اجتماع کی طرف سے جو فیصلہ شائع کیا گیا اس میں محدود ہونے کے باوجود فقہی وعلمی قیل قال کی گنجائش باقی رہی اور اس سے اس اختلاف کا خاتمہ نہیں ہوا جو اس مسئلہ میں پایا جاتا تھا، اس کے بعد اگر چہ اس پیمانہ پر کوئی اجتماعی کوشش نہیں ہوئی لیکن انفرادی طور پر مختلف علماء اپنے تحقیق ومطالعہ کے نتائج شائع کرتے رہے، اور اس مسئلہ پر وقتاً فوقتاً ہندو پاک میں بعض وقیع مضامین شائع ہوئے، جن میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی (حال مقیم کراچی) کے عالمانہ مضامین خاص طور پر قابل ذکر ہیں، انہیں حالات کے تقاضے اور اسی احساس کی بنا پر ندوۃ العلماء کی جانب سے مجلس تحقیقات شرعیہ اور جمعیۃ العلماء کی جانب سے ''ادارۃ المباحث الفقھیۃ'' کے نام سے ایک مجلس قائم ہوئی، مجلس تحقیقات شرعیہ نے اپنے جلسہ منعقدہ ۳ و ۴ مئی ۱۹۶۷ء میں اس مسئلہ پر بحث ومذاکرہ کیا، پھر اپنا فیصلہ ''تجویز مجلس تحقیقات شرعیہ متعلق مسئلہ رویت ہلال'' کے عنوان سے شائع کر دیا۔

عائلی قوانین میں ترمیم واضافہ درست نہیں ہے

مسلمانوں کا عائلی قانون (جس میں نکاح وطلاق، وراثت اور بیوی کے نان نفقہ وغیرہ کے احکام پر مسائل شامل ہیں اور اس کو عربی میں ''**قانون الاحوال الشخصیۃ**'' کہتے ہیں، میں ترمیم اور حذف واضافہ کی تحریک، ہندوستان کی آزادی کے کچھ عرصہ کے بعد سے ملک میں چل رہی ہے، اس کا کھلا ہوا نتیجہ (کم سے کم مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے) مداخلت فی الدین، بلکہ دین کے واضح، صریح،

www.abulhasanalinadwi.org

متفق علیہ اور کتاب اللہ سے ثابت احکام پر عمل کرنے کو ناممکن بنا دینے کے مرادف ہے، اور جیسا کہ ہر ذی علم کو معلوم ہے کہ اسلام صرف عقائد وعبادات کا مجموعہ نہیں، اس کے احکام وتعلیمات میں اور اس کے فرائض، واجبات اور محرّمات وممنوعات میں ازدواجی زندگی کے احکام، فرائض وواجبات اور صرف مکروہات ہی نہیں، بلکہ ممنوعات ومحرّمات بھی شامل ہیں، اور ان پر عمل نہ کرنے سے ایک مسلمان گنہگار اور قصوروار ہوتا ہے، اور اس سے آخرت میں محاسبہ ومؤاخذہ ہوگا، اور ان کے انکار کر دینے سے وہ خارج از اسلام ہو جاتا ہے، اور اس پر ارتداد کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔

مسلمانوں کیلئے امارت کا قیام ضروری ہے

مسلمان خلافت وامارت کا نظام قائم کرنے کے شرعی طور پر مکلّف ہیں اور اس میں کوتاہی وسہل انگاری ان کو گنہگار کر سکتی ہے، حدیث وفقہ کی کتابوں اور اسلام کی روح اور اس کے مقاصد کا صحیح فہم کا بھی یہی تقاضہ ہے..... پہلے کے مسلمان اس بات کے روادار نہ تھے اور اس کو بہت بری بات سمجھتے تھے کہ ان کا کوئی مختصر وقفہ بغیر خلافت وامارت کے گزر جائے، چنانچہ مسلمان مورخین جب کسی نئے سال کے آغاز کا ذکر کرتے تو اس طرح لکھتے کہ ''نیا سال شروع ہو گیا اور مسلمان اب تک بلا خلیفہ کے ہیں''۔ اگر وہ اس زمانہ میں ہوتے اور اس طویل مدت کو دیکھتے کہ جو بغیر خلافت وامارت ہی کے نہیں بغیر کسی احساس وشعور اور فکر کے گزر رہی ہے، تو ہمارے متعلق کیا رائے قائم کرتے۔(۱)

---

(۱) ارکان اربعہ، ص:۱۹۴

www.abulhasanalinadwi.org

دینی مسائل میں مصالح کا اعتبار

خطبۂ جمعہ کا مناسب طریقہ

جمعہ کی نماز کیلئے غسل کرنے، مسواک کرنے، خوشبو لگانے اور زیادہ سے زیادہ پاکی ولطافت کا اہتمام کرنے کا حکم ہے، اور اس میں نماز سے قبل خطبہ بھی دیا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ جمعہ کا جو خطبہ دیتے تھے، وہ کوئی ایسا تقلیدی اور روایتی خطبہ نہ تھا، جس میں نہ زندگی ہوتی ہے، نہ روح، اور نہ کوئی پیغام ورہنمائی بلکہ وہ زندگی اور واقعات کے ساتھ بالکل ہم آہنگ ہوتا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

كان النبى صلى الله عليه وسلم اذا خطب احمرّت عيناه وعلا صوته حتىٰ كأنه منذر جيش يقول صبّحكم ومسّاكم (۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تھے تو آپ کی چشم مبارک سرخ ہوجاتی تھی، آواز بلند ہوجاتی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے آپ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں کہ صبح کو اس کا حملہ ہونے والا ہے، شام کو ہونے والا ہے۔

علامہ ابن قیم "زادالمعاد" میں لکھتے ہیں:-

"آپؐ اپنے خطبہ میں اپنے اصحاب کو اسلام کے اصول وقواعد اور شرائع کی تعلیم دیتے تھے، اور اگر کوئی امر ونہی کا معاملہ ہوتا تھا تو امر ونہی فرماتے تھے"۔ (۲)

---

(۱) مسلم ونسائی (۲) زادالمعاد ج ۱ ص ۱۱۵

www.abulhasanalinadwi.org

اپنے زمانہ کے اماموں وخطیبوں پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

''پھر اس پر ایک طویل زمانہ گزر گیا، نور نبوت لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہونے لگا، شرائع واحکام کی جگہ رسوم وعادات نے لے لی، جن کو ان کے حقائق ومقاصد کی رعایت کے بغیر ادا کیا جانے لگا، لوگ صرف اس کی ظاہری صورت کی نگہداشت اور نوک پلک درست کرنے میں لگ گئے، ان رسوم واشکال کو انہوں نے سنت کا درجہ دے دیا اور ان مقاصد سے دست کش ہو گئے جن سے ادنیٰ غفلت اور جس میں ادنیٰ تغیر جائز نہ تھا، انہوں نے اپنے خطبوں کو مقفیٰ عبارتوں اور علم بدیع سے آراستہ کیا اور مغز کی بات اس سے کم ہوتی چلی گئی بلکہ بالکل ختم ہوگئی اور خطبہ کا اصل مقصد ہی فوت ہوگیا''۔(۱)

اسی طرح آپ کا خطبہ اس زمانہ کے خطبوں کی طرح طویل اور اکتا دینے والا بھی نہیں ہوتا تھا، جن میں اپنی خطابت وعلمیت سکہ بٹھانے اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کی جاتی ہے، مقامی اور وقتی مسائل پر (جن میں نقطۂ نظر اور مسلک کے اختلاف کی بڑی گنجائش ہے) داد خطابت دی جاتی ہے، اور مخالف مسلک یا جماعت پر کھلی تنقید کی جاتی ہے، اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ اکثر سامعین منشرح اور مطمئن ہونے کے بجائے متنفر اور بیزار ہو کر اٹھتے ہیں، اور جمعہ کے خطبہ کا وہ تقدس اور عظمت جاتی رہتی ہے، جو اس کی خصوصیت ہے، آپ کا خطبہ عملی، حقیقت پسندانہ، حرارت اور تاثر سے بھرپور، نورانیت وبرکت سے معمور اور آپ کی گفتگو کی طرح مختصر لیکن جامع اور دل نشین ہوتا تھا، نہ اس میں ضرورت سے زائد اختصار ہوتا

(۱) زاد المعاد ج ۱ ص ۱۱۵

www.abulhasanalinadwi.org

تھا، نہ ضرورت سے زائد طول، جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ کی نماز بھی معتدل ہوتی تھی، اور خطبہ بھی معتدل، قرآن مجید کی چند آیات تلاوت فرماتے، پھر لوگوں کو نصیحت فرماتے'' (۱) دوسری روایت میں ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن کوئی طویل وعریض وعظ نہیں فرماتے تھے بلکہ چند مختصر کلمات کہتے تھے''۔ (۲)

خطبہ کو بہت خاموشی اور سکون کے ساتھ سننے کا حکم ہے تاکہ اس پر سکون اور روحانی فضا میں اس کا پورا اور صحیح فائدہ حاصل ہو سکے، اس لیے کہ یہ عبادت کا محل ہے، نہ کہ خطابت کا، خطبہ کے دوران گفتگو کو سختی سے منع کیا گیا ہے، یہاں تک کہ اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے آدمی کو بات چیت کرنے سے روکنا بھی منع ہے، اس لئے کہ اس سے بھی اس سکون ووقار میں فرق آجائے گا جو خطبہ میں مطلوب ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''جس نے جمعہ کے دن اپنے ساتھی سے کہا کہ خاموش رہو اس نے بھی زائد اور فضول بات کی''۔ (۳)

جمعہ کی نماز کے مصالح

جمعہ کا مزاج اور اس کے مصالح وفوائد کا تقاضہ یہ ہے کہ جمعہ شہر کی صرف ایک مسجد میں یا کم سے کم مساجد میں ہو، (۴) (بشرطیکہ بڑا اور پھیلا ہوا نہ ہو اور لوگوں کی شرکت ایک مسجد میں مشکل ہو) اور تمام مسلمان ہفتہ میں ایک بار ایک جگہ جمع ہوں، اس سے ایک طرف اتحاد واخوت کے رشتہ کو مضبوط کرنے میں مدد ملے گی،

(۱و۲) صحیح مسلم وکتب سنن۔ (۳) ابوداؤد و بروایت حضرت علیؓ۔ (۴) علامہ بحر العلوم فرنگی محلی اپنی کتاب ''رسائل الارکان'' میں لکھتے ہیں کہ چونکہ جمعہ مسلمانوں کے اجتماع کا ذریعہ ہے، اسی لیے امام ابو یوسف ایک شہر میں متعدد جمعوں کے قائل نہ تھے، اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا بھی قول یہی ہے، اس لیے کہ اگر ایک شہر میں کئی جمعوں کی اجازت دے دی گئی تو مسلمانوں کے اجتماع کا مقصد فوت ہو جائے گا، لیکن امام محمد امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ تعدد جمعہ مطلقاً جائز ہے، دو اور اس سے زیادہ بھی اور یہی آخری قول راجح اور مفتیٰ بہ ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

دوسری طرف اس جماعت کی دولت مسلمانوں کے عقائد واعمال تحریف وفساد سے محفوظ رہیں گے، لیکن مسلمانوں نے اس مسئلہ میں بہت سہل انگاری اور سستی وغفلت سے کام لیا ہے، اور اس کے نتیجہ میں جمعہ کی تاثیر وقوت، اہمیت وافادیت اور عظمت وشوکت خاصی حد تک کم ہوگئی ہے۔

ایک ذمہ دار، مشغول اور زندگی کے تقاضوں اور مطالبوں اور انسانی حقوق سے لدے اور تھکے ہوئے انسان کیلئے ایک ایسے دن کی ضرورت تھی، جس میں اس کے اندر نئی ہمت اور نیا حوصلہ پیدا ہو، اور وہ عبادت وتقرب الٰہی کے کاموں کو زیادہ دلچسپی، سکون اور فراغت کے ساتھ ادا کرسکے، اور دل کے اس زنگ کو صاف کرسکے جو ہفتہ بھر کی بے احتیاطیوں اور لغزشوں سے دل پر لگتا رہتا ہے، وہ اپنے اس دن کو اس طرح کارآمد بنائے کہ اس کی روشنی، برکت اور نورانیت بقیہ تمام دنوں میں سرایت کرجائے یا دوسرے الفاظ میں بقیہ سارے دن اس کے سایہ میں آجائیں اور اسی کے حکم میں سمجھے جائیں، یہ دن ہفتہ میں جمعہ، رمضان میں شب قدر، اور بقیہ تمام مہینوں میں رمضان ہے۔(۱)

(۱) جمعہ ہندوستان کے بعض علاقوں خصوصاً دیہاتوں اور قصبوں میں اور بہت سے دوسرے اسلامی ممالک میں بھی زراعت پیشہ اور اہل حرفت طبقہ اور اسلام کے درمیان رابطہ کی بہت اہم اور واحد شکل ہے، اس میں وہ اہتمام سے غسل کرتے ہیں، پہلے سے نماز کی تیاری کرتے ہیں، اسلام کے شعائر واحکام سے واقف ہوتے ہیں، ان کے اندر اسلام کا شعور واحساس پیدا ہوتا ہے، اور وہ اس پر فخر ومسرت محسوس کرتے ہیں اور اس حصار کی برکت سے وہ ارتداد وبے دینی کے فتنوں اور شرک وبت پرستی کی تحریکوں اور دعوتوں سے محفوظ ومامون رہتے ہیں، اگر جمعہ اور اس کے مقدمات وانتظامات واجتماعات نہ ہوتے تو مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس جاہلی معاشرہ میں (جس میں وہ سانس لیتی ہے) جذب ہوجاتی اور ارتداد کی موجیں جو اس کے ماحول سے ٹکرا رہی ہیں اس کو نگل لیتیں اور کچھ دن کے بعد یہ پتہ چلانا بھی دشوار ہوجاتا کہ اس کا اسلام سے کچھ تعلق بھی رہ چکا ہے، یہی وہ مصالح تھے، جن کے پیش نظر عہد آخر کے بعض علماء احناف نے اس میں سختی وتنگی روا نہیں رکھی بلکہ توسع اختیار کیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

زکوٰۃ کی شرعی حیثیت

قرآن مجید میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر ۸۲ مقامات پر آیا ہے،(۱) چنانچہ "**اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ**" سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے، اس کے علاہ مسلمانوں کے اوصاف جہاں جہاں بیان کیے گئے ہیں، وہاں بھی ہمیشہ "**یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ**" (۲) آیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کو اسلام کے بنیادی ارکان میں شمار فرمایا ہے، آپؐ کا ارشاد ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

آپؐ سے پوچھا گیا کہ "اسلام کیا ہے؟ آپؐ نے جواب دیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، فرض نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو" (۳)۔ ضمام بن ثعلبہ کی حدیث میں ہے کہ "انہوں نے ایک مرتبہ حضورؐ سے دریافت کیا کہ میں اللہ کی قسم دلا کر آپ سے پوچھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے کہ آپ ہمارے اغنیاء سے زکوٰۃ حاصل کریں، اور فقراء میں تقسیم کردیں، آپؐ نے فرمایا: "ہاں بالکل"۔

اس موضوع پر احادیث اس کثرت سے ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے وہ حد تواتر تک کو پہنچ چکی ہیں، اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ زکوٰۃ نماز کے ساتھ لازم وملزوم ہے، اور صدیوں اور نسلوں سے برابر اس پر عمل ہورہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نماز کے قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو اسلام کی صحت وقبولیت، اس کے احکام کی بجا آوری، اللہ تعالیٰ کے ساتھ صلح اور مسلمانوں کے ساتھ اخوت کی

---

(۱) مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ از نواب قطب الدین خاں دہلوی (۱۲۸۹ھ)۔
(۲) سورۂ مائدہ-۵۵ (۳) شیخین بروایت ابوہریرہؓ۔

www.abulhasanalinadwi.org

علامت قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:-

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ، اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ۔ (سورۂ توبہ-۵)

(ترجمہ) پھر اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بیشک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:-

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ وَنُفَصِّلُ الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ (سورۂ توبہ-۱۱)

(ترجمہ) لیکن اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہوجائیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے بھائی ہوجائیں گے دین میں، اور ہم آیتوں کو علم والوں کیلئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد (ﷺ) اس کے رسول ہیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو اپنے خون اور اپنے مالوں کو مجھ سے محفوظ کرلیتے ہیں، سوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے''۔

بخاری و مسلم اور نسائی میں حضرت ابوہریرہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے اوپر ایمان لائیں

www.abulhasanalinadwi.org

اور جو میں لایا ہوں اس کو قبول کریں، اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیتے ہیں، مگر اس کے حق کے ساتھ، اور اس کا حساب اللہ پر ہے"۔

زکوٰۃ کے وجوب اور اس کے مقدار کے تعین کی حکمت

رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کی مقدار بھی متعین فرمادی ہے، اور ان چیزوں کی نشاندہی بھی کردی ہے، جن پر زکوٰۃ فرض ہے، آپ نے یہ بھی بتادیا کہ زکوٰۃ کب واجب ہوگی، آپ نے ان چیزوں کی چار قسمیں کی ہیں، اور یہ چاروں ایسی ہیں جن سے تقریباً ہم سب کو واسطہ پڑتا ہے، پہلی قسم کاشت اور باغات، دوسری قسم مویشی (اونٹ، گائے، بکری وغیرہ) اور تیسری قسم وہ ہے جس پر مالیات کا سارا نظام قائم ہے، یعنی سونا، چاندی، چوتھی تجارت کا مال، اپنی تمام قسموں اور شعبوں کے ساتھ (۱)

زکوٰۃ سال میں ایک بار فرض ہے، البتہ باغات وکاشت کا سال اس وقت پورا سمجھا جائے گا جب یہ باغات اور کھیتیاں پک جائیں اور اپنے کمال کو پہنچ جائیں، اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ انصاف ممکن ہی نہیں تھا، اگر زکوٰۃ ہر مہینہ یا ہر ہفتہ ادا کرنی پڑتی تو یہ دولت مند لوگوں کیلئے بہت نقصان دہ ہوسکتی تھی، اور اگر عمر میں ایک بار فرض ہوتی تو غربا اور مساکین کے حق میں مضرت رساں تھی، اس لحاظ سے اس سے زیادہ موزوں اور معتدل حکم کوئی اور نہیں ہوسکتا تھا کہ اس کو ہر سال ادا کیا جائے، زکوٰۃ کی مقدار کا تعین مالکینِ نصاب کی محنت وجدوجہد اور ان کی سہولت ومشقت کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے، چنانچہ جو مال ودولت آدمی کو اچانک اور یکمشت دستیاب ہوجائے (مثلاً کان، کوئی

(۱) ماخوذ از زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۵ باختصار

www.abulhasanalinadwi.org

معدنی ذخیرہ یا خزانہ) تو اس میں سال گزرنے کا انتظار نہ کیا جائے گا اور جس وقت وہ اس کو حاصل ہوگا اسی وقت اس کا "خمس" (پانچواں حصہ) اس پر واجب ہوجائے گا، البتہ جس کی تحصیل میں خود اس کی محنت اور سعی کو دخل ہو اور اس نے اس کیلئے محنت ومشقت برداشت کی ہو تو اس پر عُشر واجب ہوگا، مثلاً کاشت وباغات وغیرہ، اس سے مراد وہ کاشت ہے جس کو بونے جوتنے کا کام تو وہ خود کرتا ہے، لیکن نہ اس کی سینچائی اس کو کرنا پڑتی ہے، نہ اس کیلئے کنواں کھودنا اور رہٹ لگانا پڑتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ بارش کے پانی سے اس کی سینچائی فرمادیتے ہیں، ہاں اگر کوئی شخص ڈول کے ذریعہ یا کسی اور طریقہ سے اس کی سینچائی کرتا ہے، تو بیسواں حصہ اس پر واجب ہوگا، اگر کوئی ایسا کام ہو جس کے اضافہ کا انحصار مالک کی محنت پر ہو اس کا انتظام، نگرانی اور حفاظت اس کے ذمہ ہو تو اس پر اس کا بھی نصف یعنی چالیسواں حصہ واجب ہوگا۔ اس لیے کہ اس میں اس کو کھیتی باڑی سے زیادہ مصروف رہنا پڑتا ہے، اور ہر وقت نگرانی کرنی ہوتی ہے، کھیتی باڑی اور باغات وغیرہ میں تجارت سے کم دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے، اور اس میں اتنا وقت بھی صرف نہیں ہوتا جتنا کسی دکان یا کارخانہ اور کمپنی میں ہوتا ہے، اسی طرح بارش سے جو کھیتی پیدا ہوتی ہے وہ سینچائی والی کھیتی سے زیادہ اچھی اور آسان ہوتی ہے، اسی طرح کسی خزانہ کی دریافت ان تمام چیزوں سے زیادہ آسان ہے اور اس میں کچھ بھی کرنا نہیں پڑتا، چنانچہ نقدی کیلئے دوسو درہم، اور سونے کیلئے بیس مثقال (۱) غلہ اور پھلوں کیلئے پانچ

---

(۱) رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں ایک مثقال ایک دینار کے مساوی تھا، اور ایک دینار دس درہم کے برابر، اس لحاظ سے بیس مثقال (یا بیس دینار) دوسو درہم کے برابر ہوئے، دوسو درہم اکثر علماء ہندوستان کی تحقیق کے مطابق ساڑھے باون تولہ چاندی کے مساوی ہوتے ہیں، ۲۰ مثقال (یا بیس دینار) ساڑھے سات تولہ سونے کے مساوی سمجھا گیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

وسق (۱) (جو اونٹ کے پانچ بوجھ کے برابر ہوتا ہے) بکری کیلئے چالیس بکریاں، گائے کیلئے تیس اور اونٹ کیلئے پانچ مقرر کیے گئے ہیں۔ (۲)

زکوٰۃ اور سود کا فرق

زکوٰۃ اور سود بخط مستقیم ایک دوسرے سے جدا ہیں، ان دونوں میں ایسے معنوی اور اخلاقی تضاد موجود ہیں، جو ابتدا ہی سے قائم ہوجاتے ہیں اور آخر تک ختم نہیں ہوتے، دونوں کے محرکات وعوامل ایک دوسرے کے ضد، مقاصد اور نتائج اور فرد وجماعت، معاشرہ اور انسانی سوسائٹی پر اثرات بالکل علاحدہ اور مختلف ہیں۔

زکوٰۃ کی روح خدا کا خوف اور اطاعت، اس کی رضا جوئی، فقراء کے حال پر غمخواری دل کی نرمی، اخلاص، اور اغراض سے آزادی ہے، جبکہ سود کی روح خدا کی معصیت، اس کے ساتھ اعلان جنگ، دل کی سختی، حد سے بڑھی ہوئی حرص، مال سے عشق اور مال کے ذریعہ سے اس کی نسل بڑھانے (۳) کی کوشش، غرباء کی ضرورتوں اور ان کے فقر وضعف سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی خواہش ہے، زکوٰۃ کا

(۱) وسق ۶۰ صاع کے برابر ہوتا ہے، اور ہر صاع ۸ رطل کے مساوی ہے، اور امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اکثر علماء کا مذہب یہی ہے، ان کے نزدیک اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے، ابن عباسؓ، زید بن علی اور امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ کم یا زیادہ سب میں واجب ہے، اور نصاب کا اعتبار نہیں، یہ اختلاف ایک اصولی بحث کے نتیجہ میں ہوا جس کی تفصیل مذاہب کی کتب استدلال، نیز اصول فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے، ان الفاظ کا مفہوم اور مطلب سمجھنے اور اس سلسلہ کے اقوال ومذاہب سے آگاہی کیلئے امام ابوبکر جصاص (م ۳۸۰ھ) کی کتاب ''احکام القرآن'' نیز قاضی ابوبکر بن العربی (م ۵۴۳ھ) کی کتاب ''احکام القرآن'' اور تفسیر ومذاہب اربعہ کی کتب کا مطالعہ مفید ہوگا۔ (۲) ماخوذ از زاد المعاد ج ۱ ص ۲۴۶ باختصار۔ (۳) اس لئے کہ سود خوار کا مال، مال کو پیدا کرتا ہے، اور بغیر کسی محنت وتجارت کے دولت آفرینی کا سلسلہ جاری رکھتا ہے، زیادہ صاف الفاظ میں ایک ہی جگہ پڑے پڑے انڈے بچے دیتا رہتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

نتیجہ اور اس کا نفسیاتی اثر یہ ہے کہ اس سے ایمان بڑھتا ہے، انشراح قلب، صفائی نفس کرم وشرافت اور سخاوت وفیاضی کے جذبات کو قوت حاصل ہوتی ہے، سودی کاروبار کا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے انقباض، دل کی سختی، روح کی کثافت، اخلاق کی پستی، انسانی گوشت اور انسانی آبرو کے ساتھ سفاکانہ طرزِ عمل، آبروریزی، دوسروں کی کمزوریوں سے لطف اندوزی اور سوسائٹی کے کمزور عناصر سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس سے ہمدردی وغمخواری کی روح عام ہوجاتی ہے، معاشرہ کے افراد میں خوشحالی نظر آنے لگتی ہے، مالوں میں برکت ہوتی ہے، دلوں میں الفت پیدا ہوتی ہے، ایک دوسرے پر اعتماد اور بھروسہ کی فضا قائم ہوتی ہے، سود کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذخیرہ اندوزی اور معاشرہ کے افراد کی کوششوں سے جمع شدہ مال ایک فرد یا چند افراد یا ایک محدود ترین ادارہ اور جماعت کے ہاتھوں میں محصور ہوجاتا ہے، مہاجن کی مثال اس معاشرہ میں ایک ایسے چھوٹے حوض کی ہے، جہاں سارے شہر کی دولت کھنچ کھنچ کر جمع ہوتی رہتی ہے، یا مقناطیس کے اس پہاڑ کی طرح جس کا ذکر سندباد جہازی کے قصہ میں آتا ہے کہ جب اس کی کشتی طوفان میں گھر کر کسی اور جگہ نکل گئی تو ملاح نے اچانک رونا شروع کیا، جب اس سے سبب پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ یہاں سے قریب ایک مقناطیس کا پہاڑ ہے، وہاں پہنچ کر یہ ساری کیلیں کھینچ کر علاحدہ ہوجائیں گی اور کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہوکر غرق ہوجائے گی، اسی طرح یہ مہاجن اور سودی کاروبار کرنے والے بھی اپنے پاس ایک مقناطیس (سرمایہ) رکھتے ہیں، اور یہ مقناطیس زندگی کی کشتی کی ان ساری کیلوں کو کھینچتا رہتا ہے، جو اس کے تختوں کو جوڑتی ہیں، اور ایک کو دوسرے سے وابستہ رکھتی ہیں، چنانچہ یہ اجزاء بالآخر جدا ہوجاتے ہیں، زندگی کا گرم وسرخ اور صحت مند خون

www.abulhasanalinadwi.org

ضائع ہوجاتا ہے، معاشرہ ایک ایسے اخلاقی اور معاشی تپ دق میں مبتلا ہوجاتا ہے جس سے شفایابی اس کو پھر کبھی حاصل نہیں ہوتی، وہ ہمیشہ مدقوق، مفلوج، معطل، محروم اور غمزدہ نظر آتا ہے، یہاں تک کہ اس کا مکمل زوال ہوجاتا ہے۔

غور کیا جائے تو نظر آئے گا کہ سود کے نتائج صرف یہ ہیں، افراد کے درمیان کشاکش، معاشرہ میں باہمی اعتماد کا فقدان، بدگمانی اور تاریک پہلو دیکھنے کی عادت، سودی کاروبار کرنے والوں کے درمیان رسہ کشی، فقراء وغرباء کا استحصال، اور دو بالکل علاحدہ اور نمایاں طبقوں کا وجود جن میں سے ایک بنی نوع انسان میں سے سمجھا جاتا ہے، اور دوسرا جانوروں، کتوں اور بلیوں کی قسم سے، پہلا طبقہ امراء واغنیاء کا طبقہ کہلاتا ہے، اور دوسرا فقراء وغرباء کا، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں سود کی جس قدر مذمت کی گئی ہے اور اس کی جتنی مکروہ تصویر پیش کی گئی ہے، اور اس کی مذمت میں جتنے سخت اور وعیدوں سے بھرے ہوئے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، اتنی تعریف زکوٰۃ کی نہیں کی گئی ہے.......... منکرات وفواحش اور اخلاق ذمیمہ کی مذمت میں بھی قرآن مجید کا اسلوب وہ نہیں ہے، جو اس نے سود کے سلسلہ میں اختیار کیا ہے، یہ وہ اسلوبِ بیان ہے، جس سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہونے لگتے ہی، اور معلوم ہوتا ہے کہ دل سینہ سے نکل آئے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ. فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ، لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ. (سورۃ بقرہ-۲۷۸-۲۷۹)

(ترجمہ) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو، اور جو کچھ سود کا بقایا

www.abulhasanalinadwi.org

ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو، لیکن تم نے ایسا نہ کیا تو خبردار ہو جاؤ جنگ کیلئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے، اور اگر تم توبہ کرلو گے تو تمہارے اصل اموال تمہارے ہی ہیں، نہ تم (کسی پر) ظلم کرو گے نہ تم پر (کسی کا) ظلم ہوگا۔

اس نے سودخوار کی جو تصویر کھینچی ہے، اس سے ایک مومن کے دل میں نفرت وکراہت خود پیدا ہونے لگتی ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ، ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا، وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا، فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ، وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ، وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ، هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔ (سورۂ بقرہ-۲۷۵)

(ترجمہ) جو لوگ سود کھاتے رہتے ہیں وہ لوگ نہ کھڑے ہوسکیں گے سوا اس کے کہ جیسے وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے جنون سے خبطی بنا دیا ہو، یہ سزا اس لئے ہوگی کہ وہ کہتے ہیں کہ بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہے حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام کیا ہے، پھر جس کسی کو نصیحت اس کے پروردگار کی طرف سے پہنچے گی، اور وہ باز آ گیا تو جو کچھ پہلے ہو چکا وہ اس کا ہو چکا اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ رہا، اور جو کوئی پھر عود کرے تو یہی لوگ دوزخ والے ہیں اس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔

قرآن مجید نے سود اور صدقات کا موازنہ کئی جگہ کیا ہے اور ان دونوں کے آثار

www.abulhasanalinadwi.org

ونتائج ایسے معجزانہ جملوں میں بیان کیے ہیں، جن کی تشریح وتفصیل کیلئے درحقیقت ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے، اور جن کو صحیح طور پر سمجھنے کیلئے علم الاقتصاد اور سودخوار ملکوں اور اقوام کی معاشی وذہنی حالت کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ، وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ۔ (سورۂ بقرہ ۲۷۶)

(ترجمہ) اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی کفر کرنے والے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:-

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ، وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ۔ (سورۂ روم-۳۹)

(ترجمہ) اور جو کچھ تم اس غرض سے دوگے کہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہوجائے سو وہ اللہ کے آگے نہیں بڑھتا اور تم جو صدقہ دوگے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہوگے تو ایسے ہی لوگ عنقریب بڑھاتے رہیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی زکوٰۃ اور صدقات کی تعریف فرمائی ہے، اور مسلمانوں کے مال میں اس کی وجہ سے جو خیر وبرکت ہوتی ہے، اس کا ذکر کیا ہے (وہ احادیث جن میں مال میں برکت اور صدقہ کرنے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد کا بیان ہے اوپر گزر چکی ہیں) اور اسی کے ساتھ زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کو دنیا میں فوری سزا اور ابتلا کی سخت وعید بھی سنائی ہے، حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جب کوئی قوم زکوٰۃ دینا چھوڑ دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ

www.abulhasanalinadwi.org

اس کو خشک سالی اور قحط میں مبتلا کر دیتا ہے''۔(۱)

اسی طرح سودی کاروبار کرنے والوں کو دنیا وآخرت دونوں جگہ سخت سزا اور عذاب کی وعید ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جب کسی قوم میں سود کا عام رواج ہو جاتا ہے تو وہ قحط میں مبتلا کر دی جاتی ہے، اور جب کسی قوم میں رشوت عام ہو جاتی ہے تو وہ رعب میں گرفتار ہو جاتی ہے''۔(۲) یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے، سود لینے والے اور دینے والے اور اس کو لکھنے اور صدقہ نہ دینے والے پر''۔(۳)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس رات مجھے آسمان پر لے جایا گیا میرا گزر ایک ایسی جماعت پر ہوا جن کے پیٹ گھر کی طرح تھے، اس میں سانپ تھے، جو باہر سے نظر آتے تھے، میں نے پوچھا کہ جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ سود خور ہیں''۔(۴)

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''جب اللہ تعالیٰ کسی کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس میں سود عام کر دیتا ہے''(۵)

اگر کوئی شخص اسلامی معاشرہ کی تاریخ، اس کے اخلاقی پہلو، احکام شرعیہ کا اجراء اور امر الٰہیہ کی تنفیذ اور اس میں خیر وبرکت، امن واطمینان، خوش حالی اور فارغ البالی کا جائزہ لے گا، جو احکام شرعیہ کے نفاذ کی برکت سے پیدا ہوئی تھی، نیز اس تنگی ودشواری اور پریشان حالی پر بھی ایک نظر ڈالے گا جو شریعت کے ترک اور فرائض کے تعطل کے نتیجہ میں اسلامی معاشرہ پر چھا گئیں تو وہ ان احادیثِ نبوی کی تصدیق کرنے پر مجبور ہوگا، جو ابھی اوپر گزری ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

---

(۱) اوسط طبرانی (۲) مستدرک ونسائی (۳) ایضاً (۴) روایت احمد وابن ماجہ

(۵) کنزل العمال ج ۱ ص ۲۱۳ روایت حضرت ابو ہریرہؓ

www.abulhasanalinadwi.org

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً، وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (سورۂ نحل۔۹۷)

(ترجمہ) نیک عمل جو کوئی بھی کرے گا مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو تو ہم اسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ہم انہیں ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ضرور اجر دیں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:-

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكاً وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى۔ (سورۂ طٰہٰ ۱۲۴)

(ترجمہ) جو کوئی میری نصیحت سے اعراض رکھے گا اس کیلئے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔

زکوٰۃ کے لئے اجتماعی نظام کا قیام

جس طرح نماز کا مزاج اور شرعی حیثیت یہ کہ اس کو جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے اسی طرح زکوٰۃ کا مزاج اور شرعی حیثیت یہ ہے کہ وہ پہلے بیت المال میں جمع کی جائے اور ان خلفاء وامراء(۱) کے سپرد کی جائے جو اس کے منتظم وذمہ دار ہیں۔

---

(۱) مسلمان خلافت وامارات کا نظام قائم کرنے کے شرعی طور پر مکلّف ہیں، اور اس میں کوتاہی اور سہل انگاری ان کو گنہگار کر سکتی ہے، حدیث وفقہ کی کتابوں اور اسلام کی روح اور اس کے مقاصد کے صحیح فہم کا بھی یہی تقاضہ ہے، اس موضوع پر حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتاب ''ازالۃ الخفا'' اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی کتاب ''منصب امامت'' کا مطالعہ بہت مفید ہوگا، پہلے کے مسلمان اس بات کے روادار نہیں تھے، اور اس کو بہت بڑی بات سمجھتے تھے کہ ان کا کوئی..... (بقیہ اگلے صفحہ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت ابوبکرؓ کا موقف

زکوٰۃ کی یہ وہ حیثیت تھی، جس کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔ آپؐ کے بعد آپؐ کے جانشین اور امین اور اس دین کے اسرار ومقاصد کو سب سے زیادہ سمجھنے والے اور اس کیلئے سب سے زیادہ غیرت وحمیت رکھنے والے حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے، انہوں نے اس پر سنجیدگی اور قوت کے ساتھ اصرار کیا کہ ''جو بیت المال کو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرے اس سے قتال کیا جائے''۔

حضرت ابوہریرہؓ نے اس واقعہ کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس سلسلہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان جو اختلاف تھا اور جو بعد میں اتفاق سے تبدیل ہوگیا، اس کا بھی تذکرہ کیا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی رائے تبدیل کی اور حضرت ابوبکرؓ کی بالغ نظری، دقتِ فہم اور اس معاملہ میں ان کی غیرت وحمیت کا اقرار کیا۔ ہم وہ روایت یہاں نقل کررہے ہیں۔(۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ''جب حضور ﷺ کی وفات ہوگئی، اور حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے، اور اس وقت عرب میں بہت سے لوگ مرتد ہونے لگے، اس وقت حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ آپ کس بنیاد پر لوگوں سے قتال کریں گے جب کہ رسول اللہ ﷺ یہ فرما چکے ہیں کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک کہ وہ "لا الٰہ الا اللّٰہ" نہ کہہ

(**گزشتہ صفحہ کا بقیہ**) مختصر وقفہ بغیر خلافت وامارت کے گزر جائے، چنانچہ مسلمان مورخین جب کسی نئے سال کے آغاز کا ذکر کرتے ہیں تو اس طرح لکھتے کہ ''نیا سال شروع ہوگیا اور مسلمان اب تک بلا خلیفہ کے ہیں''۔ اگر وہ اس زمانہ میں ہوتے اور اس طویل مدت کو دیکھتے جو بغیر خلافت وامارت ہی کے نہیں بغیر کسی احساس وشعور اور فکر کے گزر رہی ہے تو ہمارے متعلق کیا رائے قائم کرتے؟۔

(۱) ابن ماجہ کے سوا یہ حدیث تمام کتب صحاح میں موجود ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

دیں، اگر وہ کہہ دیں گے تو اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرلیں گے مگر اس کے حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس سے ضرور جنگ کروں گا اس لیے کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، خدا کی قسم اگر وہ ایک بکری کا بچہ (۱) جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دیتے تھے، اب دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے اس بات پر ضرور قتال کروں گا، حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو اللہ تعالیٰ نے قتال پر پورا شرح صدر عطا فرمایا، اس سے میں سمجھا کہ یہی بات حق ہے''۔

حضرت ابوبکرؓ نے یہ موقف کیوں اختیار کیا؟

علامہ خطابی نے اہل ارتداد اور اہلِ بغاوت کی تمام قسموں، ان کے زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی حقیقت، نیز حضرت ابوبکرؓ نے ان کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا اس پر سیر حاصل بحث کی ہے، اس سے اس وقت کے خاص حالات اور فہمِ صحابہ میں اختلاف کے اسباب روشنی میں آجاتے ہیں، اختصار و تلخیص کے ساتھ اس بحث کو یہاں نقل کیا جارہا ہے:-

> ''اہلِ ارتداد کی دو قسمیں تھیں، ایک قسم وہ تھی، جو دین سے مرتد ہوگئی تھی، اور ملت سے کنارہ کش ہوکر کفر کی طرف مائل ہوگئی تھی، یہ وہ لوگ ہیں جن کی طرف حضرت ابوہریرہؓ نے اشارہ کیا ہے، یہ قسم دو طبقوں پر مشتمل تھی، ایک طبقہ وہ تھا، جس نے مسیلمہ کذّاب اور اسود عنسی وغیرہ مدّعیان نبوت کی تصدیق اور پیروی کی تھی، یہ پورا فرقہ نبوت محمدیؐ کا منکر تھا، ان سب سے حضرت ابوبکرؓ نے جہاد کیا، چنانچہ مسیلمہ یمامہ میں مارا گیا اور عنسی صنعاء

(۱) مسلم ترمذی اور ابوداؤد میں 'عناقا' کے بجائے 'عقالا' آیا ہے یعنی ایک رسی۔

www.abulhasanalinadwi.org

میں قتل کیا گیا، ان کی اکثریت مقتول ہوگئی اور باقی منتشر ہوگئے، دوسری جماعت جو دین سے مرتد ہوگئی ان کی نوعیت یہ تھی کہ انہوں نے احکامِ شریعت کا انکار کیا، نماز اور زکوٰۃ چھوڑ دی، اور جاہلیت کی زندگی پھر سے اختیار کر لی، اس وقت تین مسجدیں ایسی باقی رہ گئیں جہاں صرف اللہ کیلئے سجدہ ہو رہا تھا، مسجد مکہ، مسجد مدینہ، مسجد عبدالقیس۔

(مندرجہ بالا طبقوں کے مقابلہ میں) ایک دوسری قسم وہ تھی، جنہوں نے نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کی۔ انہوں نے زکوٰۃ کے وجوب سے نیز امام کے پاس ادائیگی کے وجوب سے انکار کیا، یہ لوگ درحقیقت باغی تھے لیکن اس زمانہ میں ان کیلئے یہ لفظ استعمال نہیں کیا گیا، اس لئے کہ وہ بھی اہلِ ارتداد کے ساتھ اس معاملہ میں شریک تھے، اور ارتداد کا مسئلہ سب سے اہم اور مقدم تھا، چنانچہ سب کیلئے "اھل الرّدّۃ" کا لفظ استعمال ہونے لگا، باغیوں سے قتال کا مفہوم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ سے رائج ہوا، اس لیے کہ اس وقت وہ منفرد اور مستقل بالذات تھے، اور اہل شرکت کے ساتھ ان کا اختلاط نہیں تھا۔

ان مانعین زکوٰۃ کے ساتھ کچھ لوگ وہ بھی تھے، جو زکوٰۃ کے قائل تھے، لیکن ان کے سرداروں اور چودھریوں نے ان کو ادائیگی زکوٰۃ سے باز رکھا، مثلاً بنی یربوع کے قبیلہ والے، انہوں نے زکوٰۃ جمع بھی کر لی اور اس کو حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجنے کا ارادہ بھی کر لیا لیکن مالک بن نویرہ نے ان کو اس سے روک دیا اور یہ زکوٰۃ انہی کے قبیلہ میں تقسیم کروائی، یہی وہ لوگ تھے، جن کے معاملہ میں اختلاف پیدا ہوا اور حضرت عمرؓ کو شبہ ہوا کہ آیا ان سے قتال جائز ہے یا نہیں؟ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے مراجعت کی اور اس مسئلہ پر بحث کی اور اس حدیث کو دلیل کے طور پر پیش کیا (امرت ان اقاتل الناس الخ) لیکن حضرت عمرؓ کی یہ رائے ظاہر

www.abulhasanalinadwi.org

قول پر مبنی تھی، انہوں نے اس کے شرائط پور غور نہیں کیا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، ان کی مراد یہ تھی کہ مسئلہ خون اور مال دونوں کی ضمانت اور حفاظت کا تھا، جو اپنی شرائط کے ساتھ وابستہ ہے، یہ حکم دو شرطوں کے ساتھ مقید ہے، دونوں شرطوں کا پورا ہونا ضروری ہے یہاں (مانعین زکوٰۃ کے مسئلہ میں) ایک شرط (ادائے زکوٰۃ) مفقود ہے، اس لیے وہ حکم جاری نہیں ہوگا، اس کے علاوہ انہوں نے اس کو نماز پر قیاس کیا اور چونکہ تارک صلوٰۃ پر بالاجماع قتال واجب ہے، اس حیثیت سے منکر زکوٰۃ پر بھی واجب ہونی چاہئے، اس طرح یہ مختلف فیہ مسئلہ متفق علیہ بن گیا، جب حضرت عمرؓ پر حضرت ابوبکرؓ کی صحت رائے بالکل عیاں ہوگئی تو انہوں نے اس قتال میں ان کی پوری پیروی کی، ان کے اس قول "**فعرفت انه الحق**" (پھر میں نے سمجھ لیا کہ یہی حق ہے) کے معنی یہی ہیں، یعنی حضرت ابوبکرؓ کی اس دلیل پر جو انہوں نے نص ودلالت کے ساتھ (۱)

(۱) راقم سطور کا خیال ہے کہ جو لوگ ملت چھوڑ بیٹھے، کفر کی طرف جھک گئے، شرائع کے منکر ہوگئے، نماز وغیرہ چھوڑ دی اور جاہلیت کے قدیم حال پر واپس آگئے (اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو خطابی نے قسم اول میں شمار کیا ہے) اسی طرح وہ لوگ جو نماز وزکوٰۃ میں فرق کرنے لگے تھے، اور وجوب زکوٰۃ کے منکر ہوگئے تھے (اور یہ لوگ جیسا کہ خطابی نے اوپر لکھا ہے صنف دوم سے تعلق رکھتے تھے) ان سب سے حضرت ابوبکرؓ کا قتال اس بنیاد پر تھا کہ وہ مرتد ہیں اس لیے کہ وہ لوگ ضروریات دین کے کھلے طور پر منکر تھے، اسی لیے انہوں نے فرمایا (**واللہ لأقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال**) لیکن وہ لوگ جو امام کو زکوٰۃ دینے سے منکر تھے یا اس پر قابض ہوکر خود اپنے قبیلہ میں اور اپنی مرضی سے اس کو تقسیم کررہے تھے نیز وہ لوگ جو خود زکوٰۃ دینا چاہتے تھے، لیکن اپنے سرداروں سے مجبور تھے، ان سے حضرت ابوبکرؓ کا قتال اس بنیاد پر تھا کہ وہ باغی ہیں اور "اہل بغی" سے قتال قرآن مجید سے ثابت ہے اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**فان بغت إحدٰهما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیئ الیٰ امر اللہ**" (سورۂ حجرات-۹) واللہ اعلم بالصواب۔

www.abulhasanalinadwi.org

پیش کی ان کو شرح صدر حاصل ہو گیا۔

حضرت ابوبکرؓ کا موقف اور اس کے اہم نتائج

امام کو زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی تحریک اسلام پر ایک کاری ضرب تھی، اور اس سے بغاوت وانتشار کا ایک بڑا دروازہ کھل رہا تھا، اگر حضرت ابوبکرؓ خدانخواستہ اس میں رواداری برتتے اور اس کے سدّ باب میں غفلت اور سستی سے کام لیتے تو پھر یہ دروازہ کبھی بند نہ ہوتا اور اس کے بعد دوسرے دروازے بھی یکے بعد دیگرے کھلنے لگتے، زکوٰۃ کے بعد نماز کی باری آتی اور ایک جماعت یہ کہنے لگتی کہ جمعہ اور جماعت کی کیا ضرورت ہے، ہم تنہا اپنے گھروں میں نماز پڑھ سکتے ہیں، روزہ کی باری آتی تو یہ کہا جاتا کہ رمضان میں اوقات مقرر کرنے کی کیا ضرورت ہے، اصل یہ ہے کہ ایک مہینہ کے روزے پورے ہو جائیں خواہ جس ترتیب سے ہوں، حج میں بھی کتر بیونیت کی جاتی اور اس کے متعین مناسک واعمال اور اوقات معینہ میں ردوبدل ہونے لگتا، غرض کہ اس کے نتیجہ میں خلافتِ نبوت اور نظام امارت (جس کے ساتھ تمام حدود واحکام اور عزت اسلام وابستہ ہے) اشعار کے اس بحر کی طرح ہو جاتا جس کا نام تو 'بحر' ہوتا ہے، لیکن پانی کا کہیں وجود نہیں ہوتا، اسلام اور مسلمانوں کا شیرازہ اسی زمانہ میں اس طرح منتشر ہو جاتا جس طرح اس کے صدیوں بعد ہوا، اس لحاظ سے حضرت ابوبکرؓ کا موقف جس میں نرمی، سہل انگاری، مداہنت یا مفاہمت کا کوئی شائبہ بھی نہیں تھا، دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دل میں القا ہوا تھا، اور اس کے دین کی بقا اور اس کی پاکیزگی وبالیدگی اور اس کی حقیقت کی حفاظت میں اس کا سب سے بڑا اہم حصہ ہے، پوری امت اس پر متفق ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

اور تاریخ شاہد ہے کہ اس طوفان ارتداد کے مقابلہ کیلئے جو اسلام کی ایک ایک کڑی کو ختم کر دینے کے درپے تھا، حضرت ابوبکرؓ نے وہ موقف اختیار کیا جو اپنے اپنے زمانوں میں انبیاء کرام نے اختیار کیا تھا، یہ خلافتِ نبوت تھی، جس کا حق حضرت ابوبکرؓ نے پوری طرح ادا کیا اور اس کی وجہ سے وہ قیامت تک آنے والے مسلمان نسلوں کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

نقد مال کی زکوٰۃ میں حضرت عثمانؓ کا موقف

حضرت ابوبکرؓ کے جہاد اور ان کی صلابت واستقامت کے نتیجہ میں یہ صورتِ حال ایک عرصہ تک باقی رہی اور ہر قسم کے مالوں کی زکوٰۃ بیت المال میں جمع کی جاتی رہی، جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو انہوں نے اموال باطنہ (نقد وغیرہ) کی زکوٰۃ مستحقین اور دوسرے مصارف زکوٰۃ پر بطور خود خرچ کرنے کی اجازت دی، صرف اموالِ ظاہرہ مثلاً مویشی، کاشت اور باغات کی زکوٰۃ بیت المال میں جمع کرنے کا حکم برقرار رہا۔ امام ابوبکر جصاص اپنی تفسیر میں اس کی تفصیل وتشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

> ''زکوٰۃ پہلے حضور ﷺ کے پاس، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے پاس جمع ہوتی تھی، پھر حضرت عثمانؓ نے ایک موقع پر تقریر کی اور کہا کہ یہ تمہارے زکوٰۃ کا مہینہ ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہو وہ اس کو ادا کرے پھر اپنے بقیہ مال کی زکوٰۃ نکالے، انہوں نے مالکین نصاب کو خود اپنے طور پر دینے کی آزادی دے دی اور امام کا حق اس سے ساقط ہو گیا، اس کا فیصلہ بھی ائمہ عدل میں سے ایک امام نے کیا تھا، اس لیے پوری امت پر اسی وقت نافذ ہو گیا، رسول اللہ ﷺ کے اس قول کی وجہ سے

www.abulhasanalinadwi.org

"ویعقد علیه اموالهم"(۱)

نظام زکوٰۃ میں مسلم حکومتوں کی کوتاہی اور اس کا انجام

اسلامی خلافت (اپنے درجات کے تفاوت کے باوجود) اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ برابر تحصیل وصول کرتی رہی اور جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کی 'کتاب الخراج' نیز حکومت کے ذرائع آمدنی اور مالیات پر جو کتابیں مختلف زبانوں میں لکھی گئیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت عباسیہ کے آخری دور تک یہ صورت برقرار رہی، بالآخر یہ شرعی حکم ان مسلم حکومتوں میں بالکل ختم ہوگیا جو شرعی نظام کی پوری طرح پابند نہ تھیں، اور جن کو اخلاقی ضابطوں اجتماعی خصائص اور مالی سیاست میں خلافت نبوت کا وارث کہنا مشکل ہے، اس کے نتیجہ میں تمام اسلامی ملکوں میں سخت انتشار برپا ہوا، مسلمان شریعت اسلامی کی برکتوں سے محروم ہوگئے، اور اسی کی سزا ہے کہ آج ان کو ظالمانہ سرمایہ داری، پرفریب

---

(۱) علامہ علاء الدین ابو بکر الکاسانی الحنفی (م ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں کہ "پوشیدہ مال (اموال باطنہ) جو شہر میں ہوتا ہے اس کے متعلق عام علماء کی رائے یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی زکوٰۃ لی، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی اس کی زکوٰۃ لی، حضرت عثمانؓ نے بھی ایک مدت تک زکوٰۃ لی، لیکن جب دولت کی فراوانی ہوئی اور انہوں نے محسوس کیا کہ اب ان اموال کی زکوٰۃ حاصل کرنے کی وجہ سے امت کو پریشانی اٹھانی پڑے گی اور اس کی تفتیش وتحقیق کی وجہ سے اہل ثروت کو زحمت پیش آئے گی تو انہوں نے یہ حق خود ان کے سپرد کر دیا"۔ (البدائع والصنائع ج ۲ ص ۳۵) علامہ ابن الہمام (م ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ اور آپ کے دونوں خلیفہ اس پر قائم رہے، جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور لوگوں کا تغیر ظاہر ہونے لگا تو انہوں نے خیال کیا کہ لوگوں کے پوشیدہ مالوں کا خفیہ طریقوں سے پتہ لگانا مناسب نہیں اس لیے انہوں نے اس مال کی ادائیگی ان کے مالکین کے سپرد کر دی اور صحابہ نے بھی اس مسئلہ میں ان سے کوئی اختلاف نہیں کیا، اس کی حیثیت امام کے حق وصول کو باقاعدہ ساقط کر دینے اور گزشتہ حکم کو منسوخ کر دینے کی نہیں تھی" (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۱۱)

www.abulhasanalinadwi.org

سوشلزم اور انتہا پسندانہ اور غیر متوازن کمیونزم کا مزہ چکھنا پڑ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ (سورۂ الم السجدہ ۲۱)

(ترجمہ) اور ہم انہیں قریب کا عذاب بھی علاوہ اس بڑے عذاب کے چکھا کر رہیں گے شاید کہ یہ لوگ باز آجائیں۔

غیر مسلموں کی تالیف قلب کیلئے زکوٰۃ

یہ منصوص مصارف زکوٰۃ کے حکم کے ساتھ دائر اور جاری ہیں، سوائے "**المؤلفة قلوبهم**" کے، اکثر علماء ائمہ اور فقہاء کا خیال یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت اور غلبہ کی وجہ سے اب ان کے حصے کی ضرورت باقی نہیں رہی، وہ دلیل میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عمل کو پیش کرتے ہیں، جنہوں نے ایسے لوگوں کو زکوٰۃ نہیں دی، البتہ بعض دوسرے فقہاء اس کی بقاء کے قائل ہیں، اس سلسلہ میں قاضی ابوبکر ابن العربی وغیرہ کی رائے راقم سطور کو زیادہ پسند آئی، وہ کہتے ہیں کہ "میری رائے یہ ہے کہ اگر اسلام کو غلبہ واقتدار حاصل ہو تو ضرورت نہیں، لیکن اگر اس کی ضرورت محسوس کی جائے تو ان کو اسی طرح دینا چاہئے جس طرح رسول اللہ ﷺ دیتے تھے، صحیح حدیث میں ہے "**بدأ الاسلام غريباً وسيعود غريباً كما بدا**۔(۱)

زکوٰۃ کی ادائیگی میں واسطوں کی ضرورت نہیں

آپؐ نے زکوٰۃ دینے والوں اور لینے والوں کے بیچ سے وہ سارے واسطے ختم کردیئے، جو شریعت موسوی میں پائے جاتے تھے، یعنی موروثی عالم یا بیت المقدس

---

(۱) ارکان اربعہ، ص:۱۴۶

www.abulhasanalinadwi.org

کے کارکن جن کا ذریعہ اختیار کیے بغیر اس فریضہ سے سبکدوش ہونا ممکن نہ تھا، اس چیز نے اس طبقہ میں مال کی حد سے بڑھی ہوئی محبت اور حرص وطمع پیدا کردی اس نے اکثر وبیشتر اس سے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کردیا اور بالآخر اس پر قابض ہوگیا، قرآن مجید کہتا ہے:-

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَايُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ (سورۃ توبہ – ٣٤)

(ترجمہ) اے ایمان والو! اہل کتاب کے اکثر علماء ومشائخ لوگوں کے مال باطل طریقوں پر کھاتے (اڑاتے) رہتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں اور جو لوگ کہ سونا اور چاندی جمع کرکے رکھتے ہیں اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں آپ انہیں ایک دردناک عذاب کی خبر سنادیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح دوسری عبادات اور دینی فرائض سے ان واسطوں کو ختم فرمادیا تھا اسی طرح زکوٰۃ وصدقہ کیلئے بھی اس نے کسی وساطت اور ذریعہ کو باقی نہیں رکھا، مسلمان خود اپنے طور پر نماز پڑھ سکتا ہے، زکوٰۃ نکال سکتا ہے، روزے رکھ سکتا ہے اور حج کرسکتا ہے، اس کیلئے اس کو صرف ان احکام سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے، جن کے بغیر یہ ارکان ادا نہیں ہوسکتے، اگر نیت کی تصحیح ہوگئی ہو اور شرائط پورے کرلئے گئے ہوں تو پھر ایک مسلمان کو ان فرائض کی بجا آوری کیلئے کسی سہارے اور واسطہ اور کسی رسمی مذہبی طبقہ کی منظوری کی ضرورت نہیں ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اثبات رؤیت ہلال کیلئے چاند کا ظاہر ہونا ضروری ہے

اکثر قدیم مذاہب میں روزہ شمسی مہینوں کے حساب سے رکھا جاتا تھا، اور اس کیلئے ریاضیات وفلکیات کے بڑے علم اور تقویم شناسی کی ضرورت تھی، پھر یہ کہ یہ دن ہمیشہ خاص اور متعین مہینوں میں پڑتے تھے اور ان میں کوئی تغیر نہ ہوتا تھا۔ لیکنا سلامی روزہ قمری مہینوں کے ساتھ اور رویت ہلال کے ساتھ مربوط ہے۔(۱) قرآن مجید میں آتا ہے کہ:-

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ۔ (سورۂ بقرہ-۱۸۹)

(ترجمہ) آپ سے (لوگ) نئے چاندوں کے باب میں دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ وہ لوگوں کیلئے حج کیلئے آلۂ شناخت اوقات ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''اس کو دیکھ کر روزہ رکھو اور اس کو دیکھ کر روزہ ختم کرو اگر بدلی آجائے (اور چاند نظر نہ آئے) تو تیس روزے پورے کرلو''(۲)

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ ''جب تک چاند دیکھ نہ لو اس وقت تک روزہ نہ رکھو اور جب تک چاند دیکھ نہ لو روزے کا مہینہ ختم نہ سمجھو، اگر مطلع صاف نہ ہو تو اندازہ کرلو''۔(۳)

---

(۱) شریعت میں اعتبار ظہور ہلال کا ہے، وجودِ ہلال کا نہیں، اس لئے اس کی رویت کے اثبات کیلئے ریاضی اور مصنوعی تکلفات کا سہارا لینے کی مطلق ضرورت نہیں، جیسا کہ بعض اسلامی ممالک میں ہونے لگا ہے، اس صحیح حدیث سے یہ مسئلہ بالکل صاف ہوجاتا ہے کہ ''صوموا لرؤیتہ وأفطروا لرؤیتہ ''اس کو دیکھ کر روزہ رکھو اور اس کو دیکھ کر روزہ ختم کرو''۔(۲) روایت حضرت ابن عباسؓ (ترمذی) (۳) صحاح ستہ باستثناء بخاری شریف

www.abulhasanalinadwi.org

اس حکم کی سب سے بڑی سہولت اور فائدہ یہ ہے کہ دنیا کے تمام مسلمان خواہ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہتے ہوں یا دور دراز، نامعلوم مقامات پر، جنگلوں کے اندر بسنے والے ہوں یا دیہاتوں اور شہروں میں رہنے والے سب بلا کسی مشقت اور تکلف کے اور بلا علم ریاضی کے، آسانی کے ساتھ روزہ شروع کر سکتے ہیں، اور ختم کر سکتے ہیں، اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ رمضان بدل بدل کر مختلف موسموں میں آتا ہے، یہ کبھی گرمی میں پڑتا ہے، کبھی جاڑے میں، اس لئے مسلمانوں کو ہر سال جھلسا دینے والی گرمی اور جلا دینے والی گرمی اور جلا دینے والی لو یا صرف انتہائی سرد موسم اور کڑاکے کی سردی ہی سے واسطہ نہیں پڑتا، بلکہ موسموں کے تغیر اور آب وہوا کی تبدیلی کا فائدہ بھی ان کو حاصل ہوتا ہے، وہ ان دونوں حالتوں سے مانوس اور دونوں چیزوں کے عادی ہوتے ہیں، اور ہر حالت میں صابر وشاکر، اجر وثواب کے طالب، رحمت الٰہی کے امیدوار رضائے الٰہی کے آرزومند نظر آتے ہیں۔(۱)

معذور کیلئے روزہ کے بدلے فدیہ کی اجازت

(آیت وعلی الذین یطیقونہ سے متعلق ایک علمی بحث)

جن لوگوں نے عربی زبان وادب کا کچھ مطالعہ کیا ہے، اور اس کے طرز ادا اور اسالیب بیان سے آشنا ہیں، وہ جانتے ہیں کہ 'طاقت' اور 'قدرت' کا لفظ عربی زبان میں کئی طرح استعمال کیا جاتا ہے، اس کا پہلا درجہ 'استطاعت' ہے، اور آخری درجہ 'اطاقت' آخر الذکر کا استعمال اس مفہوم میں کیا جائے گا کہ یہ کام اس درجہ سخت تھا کہ اس نے ساری قوت نچوڑ لی اور گویا کمر توڑ دی، چنانچہ اگر کوئی یہ کہنا چاہے کہ میں لقمہ اپنے منہ میں لے جانے کی طاقت رکھتا ہوں تو عربی کے لحاظ سے وہ 'انی اطیق' نہیں کہے گا، اسی طرح قلم پکڑنا، اور اس طرح کے وہ تمام کام جن میں کوئی

(۱) اس باب میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کی ''سیرۃ النبیؐ'' ج ۵ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

دشواری نہیں ہوتی، البتہ اگر کسی کو یہ کہنا ہو کہ میں بھاری پتھر اٹھا سکتا ہوں، یا مسلسل روزے رکھ سکتا ہوں، یا رات بھر نماز پڑھ سکتا ہوں تو اس کیلئے اطیق کا لفظ استعمال کرسکتا ہے، ماہرین لغت اور محققین نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے، علامہ ابن منظور 'لسان العرب' میں لکھتے ہیں۔ الطوق الطاقة سے مراد اس کا انتہائی آخری لغت اور محققین نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے، علامہ ابن منظور 'لسان العرب' میں لکھتے ہیں۔ الطوق الطاقة سے مراد اس کا انتہائی آخری درجہ ہے جس چیز کیلئے غایت درجہ مشقت برداشت کرنا پڑے، یہ لفظ اس کیلئے بولا جاتا ہے' تاج العروس' میں ہے 'الطّوق، الوسع والطاقة' لیث کا شعر ہے

کل امرئ مجاهد بطوقه

والثور يحمى أنفه بروقه

کہتے ہیں کہ ہر آدمی اس کا مکلّف ہے جس کی وہ طاقت رکھے، علامہ راغب اصفہانی 'مفردات غریب القرآن'' میں لکھتے ہیں'' طاقۃ'' کام کی اس مقدار کو کہتے ہیں جس کو انسان مشقت کے ساتھ انجام دے سکے، یہ اس 'طوق' سے مشتق ہے' جو کسی چیز کو گھیر لیتا ہے، قرآن شریف کی اس آیت 'ولا تحملنا مالاطاقة لنا به' سے مراد یہی ہے کہ جس کا انجام دینا ہمارے لئے بے حد دشوار ہے، اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ ہمارے اوپر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہم مطلقاً قدرت نہیں رکھتے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ انسان پر صرف اتنا ہی بوجھ رکھتا ہے جتنا وہ اٹھا سکے جیسا کہ ارشاد ہے "ويضع عنهم إصرهم" اور "ووضعنا عنك وزرك" (یعنی ہم نے مشکل عبادتیں آپ کیلئے ہلکی کردیں) اسی طرح "قالوا لا طاقة لنا اليوم بجالوت وجنوده" سے مراد یہی ہے کہ کبھی کبھی توسعاً (نفی کے موقع پر) طاقت کیلئے قدرت کا لفظ بھی استعمال کردیا جاتا ہے، اب ''على الذين يطيقونه'' کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ جو غایت درجہ مشقت، تعب، اور جانفشانی کے ساتھ روزہ

www.abulhasanalinadwi.org

رکھ سکیں، یعنی وہ بوڑھے مرد یا عورتیں جو بیماری یا ہلاکت کا خطرہ مول لینے کے بعد روزہ رکھنے کی ہمت کرسکتی ہیں۔

ابن عباسؓ نے اس آیت کا جو مفہوم سمجھا تھا وہ بھی یہی ہے، بخاری، ابوداؤد اور صحاح میں ان سے مروی ہے کہ آیت بہت ہی بوڑھے مرد یا عورت کیلئے آئی ہے"۔امام بخاری نے ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "انہوں نے یہ آیت 'وعلى الذين يطيقونه' پڑھی اور کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو سخت تکلیف کے ساتھ رکھ سکیں، یہ آیت بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کے لئے ہے، جو لوگ روزہ کے فدیہ کے طور پر ایک مسکین کو کھانا کھلا سکتے ہیں قضا ان پر واجب نہ ہوگی"۔ دارقطنی میں عطاء سے جو ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں، مروی ہے کہ "جو لوگ بہ مشقت تمام روزہ رکھ سکتے ہوں ان پر ایک مسکین کو کھلانے کا فدیہ ہوگا جو نیکی کے جذبہ کے ساتھ اس میں اضافہ کرے یعنی ایک اور مسکین کو بھی شامل کرے تو یہ بہتر ہے"۔وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔انہوں نے بوڑھے آدمی کو اس کی رخصت دی ہے کہ وہ اپنے جیسے سن رسیدہ شخص کو کھانا کھلائے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا، طحاوی نے بھی حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ 'علی الذین یطیقونہ' کے متعلق انہوں نے کہا کہ بمشقت تمام روزہ رکھیں، یعنی حاملہ عورت، بہت سن رسیدہ شخص، بیمار اور جس کو چھینکوں کی دائمی شکایت ہو، حضرت علیؓ، ابوہریرہؓ جیسے کبار صحابہؓ سے بھی یہی تفصیل منقول ہے، مجاہد کہتے ہیں کہ "حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب وہ بہت سن رسیدہ ہوگئے تو اس پر عمل کرنے لگے" (بخاری میں بھی یہ حدیث درج ہے) خالد الحذاء عکرمہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ "على الذين يطيقونه" کو منسوخ نہیں سمجھتے تھے، حجاج ابواسحاق سے وہ حارثؒ سے وہ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "على الذين يطيقونه" سے مراد بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت ہے، سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ابن

www.abulhasanalinadwi.org

عباسؓ کے پاس ایک باندی تھی جو روزہ کی حالت میں بچہ کو دودھ پلاتی تھی، اور اس کی وجہ سے تکلیف میں تھی، آپ نے اس سے کہا کہ تم افطار کرلو اس لیے کہ تم بھی "**علی الذین یطیقونه**" میں شامل ہو۔

اس طرح پر "**کتب علیکم الصیام**" کا خطاب تین قسم کے لوگوں کی طرف ہے اول مقیم اور تندرست، ان پر روزہ بالکل حتمی ہے، دوسرے مریض اور مسافر، ان کیلئے افطار جائز اور قضا واجب ہے، تیسرے وہ جن پر روزہ کسی لاعلاج بیماری کی وجہ سے سخت دشوار اور ناقابل برداشت ہو، مثلاً بڑھاپا یا کوئی مزمن بیماری، یہ لوگ روزہ افطار کر سکتے ہیں، لیکن اس کے فدیہ میں ان کو روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہوگا۔ اسی طرح حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت، یہ افطار کرے گی اور قضا کرے گی اس طرح آیت کا حکم علیٰ حالہ ہے، اس میں نسخ، کسی کلمہ کو حذف یا زائد سمجھنے، یا اس میں تکلف سے کام لینے کی کوئی ضرورت نہیں، بعض کبار صحابہ کا یہی مسلک تھا اور اسی طرح اس مسلک میں کوئی شذوذ یا غرابت باقی نہیں رہتی، جہاں تک اس آیت کے منسوخ ہونے کے سلسلہ میں بعض کبار صحابہؓ کی رائے کا تعلق ہے اور اکثر متقدمین نے اسی کو ترجیح دی ہے اور تفسیر وحدیث کی متداول کتابوں میں بھی عام معروف ومسلک یہی ہے، اس کا اصل سبب صحابہ کرامؓ کی تعبیرات اور طرز کلام کو عہد آخر کے منضبط اصولی مباحث پر قیاس کرنا، اور ان کے الفاظ وتعبیرات کو ان مباحث پر کلی طور پر محمول کرنا ہے، اس لیے کہ صحابۂ کرامؓ اور متقدمین ان الفاظ کے اطلاق میں بہت متوسع تھے، اور کبھی کبھی صرف اس کے کسی لغوی معنی کی طرف اشارہ کرتے تھے، اور بعض وقت ادنیٰ مناسبت اور تعلق سے بھی ایسے الفاظ استعمال کرتے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اس مسئلہ پر جو کلام کیا ہے، اس کا اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے، وہ کہتے ہیں:-

www.abulhasanalinadwi.org

''فن تفسیر میں جس کا میدان بہت وسیع اور اختلاف بہت زیادہ ہے سب سے مشکل مقام ناسخ ومنسوخ کی پہچان ہے، اور اس دشواری اور پیچیدگی کا سب سے بڑا سبب متقدمین ومتاخرین کی اصطلاحات کا فرق ہے، صحابۂ کرام اور تابعین کے اقوال اور طرز کلام کو دیکھ کر ہمیں جس بات کا اندازہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ نسخ کو اس کے لغوی معنی (یعنی ایک چیز کو ہٹا کر دوسری چیز لانے) کے معنی میں استعمال کرتے تھے، اہل اصول کی اصطلاحات کے مفہوم میں نہیں، صحابہ کرام کے نزدیک آیت کے بعض اجزا یا بعض اوصاف کو بھی دوسری آیت سے منسوخ سمجھا جاسکتا ہے، کبھی اس کی مدت کے اختتام کی بنیاد پر، کبھی بات کا رخ متبادر سے غیر متبادر کی طرف پھر کر، یا کسی قید کے اتفاقی ہونے یا عمومی تخصیص کی بنا پر کبھی منصوص اور قیاسِ ظاہری کے فرق کی روشنی میں، یا جاہلیت کی عادات اور گزشتہ شریعتوں کی منسوخی کے باب میں، اس میں نسخ کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا، عقل کو اپنی جولانی دکھانے کا خوب موقع ملا، اور اختلاف کی کثرت ہوئی'' (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص ۱۸)

اس قول کو ہمارے زمانہ کے بعض ممتاز ترین علماء اور محققین نے بھی ترجیح دی ہے جن میں مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا شمس الحق ڈیانویؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ شامل ہیں، مصر کے مفتی محمد عبدہ سے بھی یہی قول مشہور ہے اور ان کے شاگرد رشید سید رشید رضا نے تفسیر ''المنار'' میں اس قول کو ان کی طرف منسوب کیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

شادی میں جہیز یا رقم کا مطالبہ درست نہیں

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے، اس کو ایک دوسرے کا محتاج بنایا ہے، یہ نسل انسانی کا بقاو تسلسل اور فطری تقاضوں کی تکمیل، معصیت و گناہ، فواحش و بے حیائی سے اجتناب اور معاشرۂ انسانی کا نظم وضبط، ازدواجی زندگی پر موقوف ہے اور یہ ازدواجی زندگی احکام شریعت کے مطابق ہی منظم، سہل، کامیاب اور پرسکون ہوسکتی ہے، اس لیے فطرت انسانی کے اس تقاضہ وضرورت کی تکمیل (نکاح وازدواج) اور شریعت کی اس اہم عبادت وذریعۂ تقربِ خداوندی ومحبوب سنتِ نبوی کی تکمیل میں جب اپنی طرف سے فرض کردہ ایسے شرائط ولوازمات اور ایسے مطالبات عائد کیے جائیں گے، جن کی وجہ سے اس انسانی ضرورت کی تکمیل اور اس دینی فریضہ کی ادائیگی کسی کیلئے ناممکن ہے اور کسی کیلئے ایسی دشوار ومشکل ہوجائے کہ اس کو بعض اوقات ملتوی یا شدید طور پر مؤخر کرنا پڑے، اور اس کی وجہ سے بہت سے محظورات کا امکان پیدا ہوجائے، اور بعض اوقات اس کیلئے جان پر کھیلنا پڑے اور وہ باعثِ مسرت وبرکت ہونے کے بجائے سخت عذاب ومصیبت بن جائے، تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر ﷺ کی نظر میں صریح ظلم ومعصیت اور نتائج کے اعتبار سے ہزاروں خرابیوں، بداخلاقیوں، بے برکتیوں اور پریشانیوں اور نحوستوں کا موجب، اور قہر خداوندی کا سبب ہوسکتا ہے، اس کی آخرت میں جو سزا بھی ہو، اس دنیا میں بھی اس کی سزا کھلی آنکھوں دیکھی جاسکتی ہے۔

لڑکی والوں سے کسی رقم یا خاص چیز کا مطالبہ یا من مانی فرمائشیں اور مالی واقتصادی منافع کے حصول کی شرط جس کو بعض علاقوں میں 'تلک' بعض مقامات پر ''گھوڑا جوڑا'' بعض جگہ 'جہیز' کی معروف ومتداول اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور جو ہندوستان میں کچھ عرصہ سے برادران وطن (ہندو معاشرہ) کی تقلید میں یا اس

www.abulhasanalinadwi.org

کے ساتھ رہنے سہنے، یا مال ودولت کی اس بڑھی ہوئی حرص اور لالچ کی وجہ سے جو موجودہ تہذیب، تعلیم، دینی کمزوری اور حبّ دنیا نے مسلمانوں میں پیدا کردی ہے، وقت کی وہ وبائے عام اور زمانہ حال کا وہ 'فتنہ' اور ابتلاء ہے، جس نے اس مسلم معاشرہ کیلئے اس ماحول میں (جس میں دینی تربیت وتعلیم کی کمی ہے) اس شرعی وفطری شریفانہ وتمدنی ضرورت کی تکمیل کو پہاڑ کاٹ کر جوئے شیر لانے سے کم دشوار نہیں بنادیا ہے۔

اس سلسلہ میں ان والدین کی جو متعدد لڑکیوں کے ماں باپ، یا ایک ہی لڑکی کے ذمہ دار وسرپرست ہونے کے باوجود محدود آمدنی اور وسائل کے مالک ہیں، مصیبت، فکر وتردّد اور پریشانی ''تکلیف مالایطاق'' (ایسی چیز پر مجبور ہونا جو ان کی طاقت وبرداشت سے باہر ہے) کے آخری حدود تک پہنچ گئی ہے، بعض مرتبہ بعض علاقوں میں اس کی وجہ سے باپ نے جو شریف گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے، اور اپنے معاشرہ وماحول میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، خودکشی کا ارتکاب کیا اور حرام موت کو ترجیح دی، راقم سطور کے پاس آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ایک ذمہ دار رکن اور دین کے ایک عالم وخادم ہونے کے ناطے لڑکیوں کے سرپرستوں کے ایسے خطوط آئے ہیں، جن کو پڑھ کر جگر شق ہوتا ہے، اور آسمان کے ٹوٹ پڑنے کا اندیشہ بعض خطوں میں لکھا گیا ہے کہ میری کئی لڑکیاں ہیں، ایک کا معاملہ ہوتا تو جان پر کھیل کر کچھ انتظام کرلیا جاتا اور پیام دینے والے لڑکے اور اس کے سرپرستوں کے مطالبات کی تکمیل کرلی جاتی، مگر ہر لڑکی کے پیام پر ایسے ہی مطالبات کیے جارہے ہیں جن کی تکمیل امکان سے باہر ہے، کیا ہم ان لڑکیوں کو زہر دے دیں، یا ان کا گلا گھونٹ دیں، یا ان کو معصیت کی زندگی پر مجبور کریں، ان خطوط کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اور عذاب الٰہی کے نزول کا خطرہ محسوس ہونے لگتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

افتاء اور قضاء کے شرائط

دینی مناصب وفرائض اگرچہ سب اہم، نازک اور عظیم ذمہ داری کے کام ہیں، اور ان کیلئے بڑی صلاحیتوں، علم وباخبری اور احساسِ ذمہ داری کی ضرورت ہے، اگر وہ علمی ہیں (مثلاً تدریس وتعلیم، تفسیر قرآن، شرحِ حدیث، عقائد واحکام، اور اصول حقائق اسلام پر تصنیف وتالیف، یا بحث وتحقیق) تو ان کیلئے وسیع مطالعہ، عمیق غور وفکر، اساتذہ کاملین اور علماء راسخین کی معتد بہ صحبت اور تربیت کی ضرورت ہے۔ علماء نے تفسیر وتحدیث اور تعلیم وتدریس کے شرائط مختلف کتابوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں اور بتایا ہے کہ ان فرائض کو انجام دینے کیلئے کتنے علوم سے واقفیت اور کن شرائط کے تحقق کی ضرورت ہے اور ان کے بغیر ان فرائض کی ادائیگی میں کیسے خطرات اور اپنے اور دوسروں کیلئے کس ضرر کا اندیشہ ہے، علوم وعلماء کے آداب اور مقدماتِ کتب میں ان صفات وشرائط کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔

لیکن ان فرائض اور دینی مناصب میں سب سے زیادہ وسیع ودقیق، نازک اور پیچیدہ کام جس کیلئے صرف علم وذہانت، مطالعہ کی وسعت، صلاح وتقویٰ، امانت ودیانت اور ذکاوت وذہانت ہی کی ضرورت نہیں، اس موضوع سے گہری مناسبت، رسوخ فی العلم ورسوخ فی الدین، کتاب وسنت، فقہ واصولِ فقہ میں اختصاصی مہارت ہی کی ضرورت نہیں بلکہ طبع سلیم، فہم مستقیم، فطرت صحیحہ جس کو حقائق تک بلا کدوکاوش رسائی ہوجاتی ہو اور جس میں اعتدال وتوازن کا مادہ ودیعت کیا گیا ہو، پھر قدیم وجدید علمی ذخیرہ پر اطلاع وواقفیت کے ساتھ اہلِ زمانہ کی طبائع سے بھی واقفیت 'عرف' سے بھی باخبری جس کو فقہاء نے بڑی اہمیت دی ہے، اور اس کا لحاظ کیا ہے۔ 'تیسیر' کے حدود کی نگہداشت، اور 'عموم بلویٰ' کی صحیح تعریف اور اس کے لحاظ کے فقہی شرائط سے آگاہی، اپنے زمانہ کے معاملات

www.abulhasanalinadwi.org

وعقود، تعلقات کی نوعیت، نوایجاد چیزوں کی شرعی حیثیت، تغیرات زمانہ اوران کے شرعی احکام سے واقفیت، اوران کے لحاظ کے حدود سے آگاہی، اورسب سے بڑھ کر مقاصدِ شریعت، اور حکمت تشریع کا علم بھی ضروری ہے، جو استنباط مسائل کی روح، اور قیاس واستحسان اور مصالح مرسلہ کی نگہبان اور پاسبان ہے، یہ علم جس کیلئے اتنی صفات وشرائط درکار ہیں اور جس کا کام اتنا نازک اور پیچیدہ ہے، علم قضاوافتا ہے، اس لیے اس امت کے متورعین (جن میں ایسے نفوس قدسیہ بھی شامل ہیں جن کو اجتہاد کا درجہ بھی حاصل تھا) اس منصب کو قبول کرنے سے گریزاں اور اگر اس کو قبول کرنا پڑا تو اس کے ادا کرنے میں ہمیشہ لرزاں وترساں رہے، اور اس کے آداب وشرائط پر بہت سے جلیل القدر علماء نے بلند پایہ کتابیں تصنیف کیں، جن میں سے صرف ایک عظیم کتاب علامہ حافظ شمس الدین ابن القیم الجوزی (صاحب زادالمعاد) کی کتاب ''اعلان الموقعین عن رب العالمین'' کا ذکر کافی ہے، جو اس موضوع پر معلومات اور ہدایات کا بڑا خزانہ ہے، اور جس میں عہدِ رسالت، عہدِ خلافت راشدہ، اور قرون مشہود لہا بالخیر کے قضاۃ اور اہل افتاء، اور فقہائے صحابہ وتابعین، اور ائمہ مجتہدین کی سیرت، ان کے تورع واحتیاط، اور ان کے وفورِ علم وذکاوت کے صدہا واقعات بیان کیے گئے ہیں، اور جس سے اہل قضاء وافتاء کو بڑی روشنی وبصیرت حاصل ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆

www.abulhasanalinadwi.org

فقہی اصطلاحات پر بعض اہم کتابیں

عربی زبان جو دین اسلام کی گویا ''سرکاری زبان'' ہے، میں تو خاصی تعداد میں ایسی چھوٹی بڑی اور مختلف قدر و قیمت کی حامل کتابیں صدیوں سے وجود میں آرہی ہیں، جن میں اس موضوع پر سیر حاصل کلام کیا گیا ہے، مثلاً سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ) کی کتاب ''التعریفات'' شیخ محمد اعلیٰ تھانوی کی ''کشاف اصطلاحات الفنون'' کا ایک حصہ، قاضی عبدالنبی احمد نگری کی ''دستور العلماء'' اور علامہ ابوحفص نسفی کی ''الطلبۃ فی اصطلاحات الفقہیہ الحنفیہ'' لیکن اس بارے میں شہرت ووقعت اور مرجعیت کا جو مقام شیخ ناصر الدین عبدالسید ابی المکارم ابوالفتح الحنفی المطرزی (م ۶۱۶ھ) کی کتاب 'المغرب' کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کو نہ ہوسکا، اگرچہ یہ کتاب مختصر ہے، گویا ایک طرح کی ڈکشنری کی حیثیت رکھتی ہے، جس سے تفصیل کے طالب کی تشنگی نہیں بجھتی، تاہم ایک اہم ضرورت پوری کرنے والی کتاب ہے، عصر حاضر جسے انسائیکلوپیڈیائی عصر کہنا شاید بے جا نہ ہوگا، میں ہر فن کی طرح فقہ پر بھی دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کے طرز کا مفید کام ہوا ہے، جن میں موسوعہ جمال عبدالناصر، جو مصر کے ممتاز علماء نے تیار کی اور وہیں شائع بھی ہوئی ایک ممتاز مقام رکھتی ہے، لیکن ان سب سے جامع، حاوی اور نافع تر وہ موسوعہ ہوئی جو چند سال قبل عالم اسلام کے مشہور اور ممتاز ترین فاضل علامہ مصطفیٰ احمد الزرقاء کی زیر نگرانی کویت میں مرتب ہو رہی تھی، واقعہ یہ ہے کہ اگر وہ اسی طرز پر مکمل ہوجاتی، جس کا نمونہ کے طور پر شائع ہونے والی چند جلدوں سے اندازہ ہو رہا تھا تو وہ اپنی نوعیت کی منفرد، سب سے مکمل اور دوسری کتابوں سے بے نیاز کرنے والی موسوعہ ہوتی'۔

www.abulhasanalinadwi.org

چند باکمال فقہاء اوران کا علمی سرمایہ

بعد کے ادوار میں بھی بے شمار فقہاء نے یہ خدمت انجام دی، یہاں نمونہ کے طور پر چند باکمال فقہاء اوران کا علمی سرمایہ کتابوں اوران کے مصنفین کے صرف نام ذکر کئے جارہے ہیں:

خزانۃ الفقہ :امام ابواللیث سمرقندی (۳۸۳ھ)، عیون المسائل ۹ جلدیں: ابوالقاسم عبداللہ بن احمد البلخی (م۳۱۹ھ)، الواقعات للناطفی: احمد بن محمد بن عمر الناطفی تلمیذ امام جصاص رازی (م۴۴۶ھ)، المبسوط: شمس الائمۃ سرخسی (م۴۸۳ھ)، فتاویٰ خانیہ ۳ جلدیں: امام فخرالدین حسن بن منصور الاوزجندی (م۵۵۲ھ)، بدائع الصنائع ۷ جلدیں: ملک العلماء علاء الدین الکاسانی (م۵۸۷ھ)، کفایہ ۸۰ جلدیں: اور اس کی تلخیص ہدایہ: علی بن ابی بکر برہان الدین المرغینانی (م۵۹۳ھ)، المحیط البرہانی ۴۰ جلدیں: علامہ برہان الدین محمد (م۶۱۶ھ)، الفتاویٰ الحنفیہ: سعد الدین مسعود (م۷۹۳ھ)، الفتاوی التاتارخانیہ: عالم بن علاء الانصاری (م۷۸۶ھ)، یہ کتاب اب تک غیر مطبوعہ تھی، چند سال قبل قاضی سجاد حسین کرتپوری کی تعلیق وتحقیق کے بعد دائرۃ المعارف حیدرآباد سے اس کی ۵ جلدیں شائع ہوئیں، بقیہ ابھی نہیں طبع ہوسکیں، اندازہ ہے کہ تقریباً دس جلدوں میں مکمل ہوگی اور ہر جلد کی ضخامت کم وبیش سات سو آٹھ سو صفحات ہے، اور پانچویں جلد ۹ سوصفحات سے بھی زیادہ کی ہے۔ فتح القدیر ۵ جلدیں: کمال الدین ابن الہمام (م۸۶۱ھ)، البحرالرائق ۷ جلدیں: زین الدین ابن النجیم مصری (م۹۷۰ھ)، الدرالمختار: علاء الدین حصکفی (م۱۰۸۸ھ)، الفتاویٰ الہندیہ معروف بہ فتاویٰ عالمگیری: یہ مجموعۂ فتاویٰ جو مصری باریک ٹائپ کی پانچ ضخیم جلدوں میں سمایا ہے عالمگیر اورنگ زیب (م۱۱۱۸ھ)

www.abulhasanalinadwi.org

کے حکم سے اس دور کے ممتاز ترین علماء نے مرتب کیا، جسے گویا ''دستور ہند'' کی حیثیت حاصل رہی، اس کے تقریباً ایک صدی بعد ترکی کی عثمانی سلطنت جو صدیوں تک دنیا کا سب سے بڑا امپائر (Empire) رہی جس کے تحت ایشیاء، یورپ اور افریقہ کے متعدد ممالک تھے، اس نے رسمی قوانین کو مجموعہ ''مجلۃ الاحکام العدلیہ'' تیار کریا اہے، اسی (تیرہویں) صدی میں علامہ ابن عابدین شامی (م۱۲۵۲ھ) کی ردالمختار شرح درمختار سامنے آئی، اور دیکھتے دیکھتے فقہ کی بنیادی کتاب اور فتاویٰ کا مرجع بن گئی۔

مذکورہ بالا سطروں میں صرف حنفی فقہاء کی خدمات کی ایک جھلک ہی پیش کی جاسکی ہے، فقہ حنفی کے علاوہ مالکی، شافعی، حنبلی، ظاہری وغیرہ مسالک کے فقہاء نے جو کارنامے انجام دیے وہ بھی کم وبیش- کیفیت وکمیت کے لحاظ سے- ایسے اور اتنے ہی ہیں، جن کا تذکرہ طوالت کا موجب ہوگا، پھر بھی "**اذا لم یدرك كله لم يترك كله**" کے بمصداق چند کتابوں اور ان کے مصنفین کا تذکرہ خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

المحلی: ابن حزم الظاہری (م۴۵۶ھ)

المقدمات: ابن رشد مالکی اول المجد (م۵۲۰ھ)

بدایۃ المجتہد: ابن رشد ثانی الحفید (م۵۹۵ھ)

المغنی: فقہ حنبلی کی نہایت بیش قیمت کتاب: ابن قدامہ مقدسی (م۶۲۰ھ)

مہذب: ابواسحاق شیرازی شافعی (م۴۴۴ھ) اور اس کی شرح: امام نووی (م۶۷۶ھ)

شرح منہاج: جلال الدین المحلی شافعی (م۸۶۴ھ)

www.abulhasanalinadwi.org

برّصغیر ہندو پاک کے علماء کی چند اہم فقہی کاوشیں

اوپر جن کتابوں اور فقہاء کے نام مذکور ہوئے وہ پچھلی صدیوں اور زیادہ تر بیرون ہند کے تھے، اب ذرا ایک نظر قریبی زمانہ کے علمائے برصغیر کے کارناموں اور ناموں پر ڈال لینا بھی مناسب ہوگا، غالباً یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ برصغیر کے علماء کا کام عرب وعجم کے کسی خطہ کے علماء سے کم نہیں بلکہ بعض اعتبارات سے شاید کچھ نمایاں ہی ہوگا۔ ایسے علماء اور ان کی تصنیفات کی فہرست بہت طویل ہے، جس کیلئے ایک مقالہ تو کیا پوری کتاب بھی ناکافی ہوگی، (تفصیل جانے کے خواہش مندوں کیلئے والد محترم مؤرخ کبیر علامہ حکیم سید عبدالحی حسنیؒ کی تصنیف ''الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند'' کا مطالعہ مفید ہوگا، جو اس موضوع پر نہایت جامع کتاب ہے، بالخصوص اس کا دوسرا ایڈیشن جو راقم الحروف کے اضافوں کے ساتھ شائع ہوا ہے)۔

اس لئے یہاں بس چند کا ہی تذکرہ کیا جارہا ہے:

(۱) مولانا عبدالحی فرنگی محلی (م ۱۳۰۴ھ) جو نہایت کم عمر (صرف ۳۹) سال پانے کے باوجود- مختلف علمی، دینی، تاریخی موضوعات پر بالخصوص حدیث وفقہ پر- اتنی کثیر اور قیمتی کتابیں یادگار چھوڑ گئے ہیں جن کی نظیر عالم اسلام میں بھی ملنا مشکل ہے، ان میں سعایہ اور حاشیہ ہدایت کو ممتاز مقام حاصل ہے، علاوہ ازیں مولانا مرحوم کا ''مجموعۂ فتاویٰ'' جو تین جلدوں میں سینکڑوں- بلکہ ہزار سے زیادہ- فقہی سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے، اور عصر حاضر کے بہت سے تازہ اور زندہ مسائل ومشکلات کے عالمانہ ومحققانہ حل کا بیش قیمت ذخیرہ ہے، خاصہ کی چیز ہے، جس کی قدر وقیمت کم ہونے کے بجائے برابر بڑھ رہی ہے۔

(۲) مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی (م ۱۳۴۷ھ)، مولانا مرحوم تقریباً نصف صدی تک دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی رہے اور ان کے قلم سے ہزارہا

www.abulhasanalinadwi.org

فتاویٰ صادر ہوئے، جن میں معتد بہ تعداد عصر حاضر کے پیدا کردہ مسائل کے جوابات پر مشتمل ہے، ان کے فتاویٰ کی دارالعلوم دیوبند کے اہتمام سے اب تک بارہ ضخیم جلدیں شائع ہوچکی ہیں، جن میں تقریباً نصف تعداد ہی آسکی ہے (خدا کرے باقی ماندہ ذخیرہ بھی شائع ہوکر افادۂ عام کا ذریعہ بنے)۔

(۳) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ)، مولانا موصوف کے علمی وفقہی کارناموں کے تفصیلی بیان کیلئے تو ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، مشہور ہے کہ مولاناؒ کی چھوٹی بڑی تصانیف تقریباً ایک ہزار ہیں جن میں تفسیر، تصوف، فقہ، شرح حدیث اور حکمتِ اسلام جیسے موضوعات پر سیر حاصل بحثیں ملتی ہیں، لیکن یہاں ان کی صرف فقہی خدمات کا مختصر تذکرہ کرنا ہی اس وقت پیش نظر ہے، مولانا کی مقبول عام کتاب ''بہشتی زیور'' کے علاوہ ان کے فتاوی (مسمی بہ امداد الفتاویٰ) کا سات جلدوں پر مشتمل عباداتی، تمدنی، معاشرتی، معاملاتی وغیرہ سوالات کے جوابات کا بیش قیمت اور عظیم ذخیرہ ہے، ایک خاص بات یہ ہے کہ عصر حاضر کے بہت سے پیچیدہ مسائل کا ان میں نہ صرف حل پیش کیا گیا ہے، بلکہ ایسی اصولی ہدایات ملتی ہیں جن سے آئندہ- اس موضوع پر کام کرنے والوں کیلئے- راہنمائی کا پورا سامان ہے، چنانچہ کسی بھی نئے پیش آمدہ مسئلہ کا حل دریافت کرنے کیلئے آج کے علماء وفقہاء ان کی تحقیقات وہدایات سے استفادہ کئے بغیر ایک قدم آگے بڑھانا مشکل سمجھتے ہیں، مولانا کی زمانہ شناسی اور حساس وفکر مند طبیعت کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ''الحلیۃ الناجزۃ'' ہے، جس میں دنیا بھر کے معتمد علماء کی آراء جمع کر کے آج کی مظلوم منکوحہ عورت کی متعدد دشواریوں کا آسان حل پیش کیا گیا ہے۔

(۴) مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی (م ۱۳۷۲ھ)، مفتی صاحب کی نظر کی گیرائی وگہرائی، تحقیقی نویسی، جچی تلی عبارت اور فقیہانہ انداز، زمانہ سے باخبری اور مسلمانوں کی مشکلات اور دشواریوں کے حل میں ان کی فکرمندی اور سہولت پیدا

www.abulhasanalinadwi.org

کرنے کی کوشش، یہ وہ خصوصیات ہیں جن میں مفتی صاحب کا امتیاز اکابر واصاغر نیز معاصرین سبھی نے تسلیم کیا ہے۔

(۵) مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی (م ۱۳۹۶ھ)، مفتی صاحب موصوف حکیم الامت کے ہی ساختہ پرداختہ اور ان کے گویا ثنی یا مثیل تھے، ان کے مجموعۂ فتاویٰ (امداد المفتین) کے علاوہ ''جواہر الفقہ'' کی پانچ جلدیں ان کی ژرف نگاہی، تفقہ، عالم سے باخبری اور مسلمانوں کے مسائل سے نہ صرف واقفیت بلکہ ان کے حل کی فکرمندی کا ثبوت ہیں، عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل اور گتھیوں کے سلجھانے اور ان کے تحقیقی وفقہی وعلمی جوابات آسان زبان اور سہل اسلوب میں پیش کرنے میں مفتی صاحب کو امتیاز حاصل تھا، یہی خصوصیات ان کے فرزند ارجمند مولانا محمد تقی عثمانی میں بھی منتقل ہوئی معلوم ہوتی ہیں (حفظہ اللہ ورعاہ)۔

ہمارے اس عہد میں جن چیدہ اور برگزیدہ علماء کو اس دولتِ علم وحکمتِ دین سے بہرہ وافر ملا، جس کو حدیث صحیح میں **من یرد اللّٰہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین** کے عمیق وجامع الفاظ سے ادا کیا گیا ہے، ان میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ خاص مقام رکھتے ہیں۔ بہت سے اسباب وامتیازات کی بناء پر جن کی تفصیل حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی مرحوم کی کتاب ''تذکرۃ الخلیل'' اور عزیز گرامی مولوی سید محمد ثانی مرحوم کی کتاب ''حیات خلیل'' میں بیان کیے گئے ہیں، حضرتؒ کو فقہ میں وہ مقام حاصل تھا جس کو فقہ النفس اور اس کے حامل ومتصف کو 'فقیہ النفس' کے لفظ سے ہماری قدیم کتابوں میں یاد کیا گیا ہے، اوپر جن نازک شرائط اور اعلیٰ صفات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ ہمارے علم وواقفیت کی حد تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ میں پائی جاتی تھیں۔

☆☆☆☆☆

www.abulhasanalinadwi.org